

شُعاعِ ادب

اپنی لائبریری



کالایانی

(تواریخ عجیب)

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

# کالایانی

(نواریم عجیب)

جناب مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم

شعاع ادب - لاہور

ناشر: محمد حلیم

مطبع: استقلال پریس - لاہور

تعداد:

تاریخ: نومبر ۱۹۶۱ء

مقام اشاعت: شعاع ادب - لاہور

ۛ

اس پرشہ سے بھی مل سکتی ہے

ایم بی اے الیون بک سیل، مسلم مسجد، چوک انارکلی - لاہور

سندھ ساگر اکادمی - مسلم مسجد، چوک انارکلی - لاہور

# فہرس

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	ابواب
۵۷	دوانگی کراچی	۱۳	۹	۱
۶۰	بھٹی	۱۵	۱۳	۲
۶۲	نخاڑ جیل	۱۶	۱۷	۳
۶۴	کالا پانی کر دوانگی	۱۷	۱۹	۴
۶۵	انڈمان	۱۸	۲۲	۵
۷۱	انڈمن کے آسٹریٹس	۱۹	۲۷	۶
۷۶	انڈمن کی زندگی	۲۰	۳۴	۷
۷۹	شادی خان آبادی	۲۱	۳۸	۸
۸۰	تین بیک حادثے	۲۲	۴۱	۹
۸۲	تجارت	۲۳	۴۲	۱۰
۸۵	دوسری شادی	۲۴	۴۹	۱۱
	دشمن چکنہ جی	۲۵	۵۲	۱۲
۸۷	جہان بائو دوست	۵۵	۵۵	۱۳

صفحہ	عنوان	ابواب	صفحہ	عنوان	ابواب
۱۱۱	رباعی کی اسیدیں	۳۳	۹۱	ہندوؤں کی ناکام چٹائیں	۲۶
۱۱۳	حضرت مولانا احمد اقصیٰ صاحب کا انشائیہ	۳۴	۹۵	نور علی محمد حسن صاحب کی تشریف آوری	۲۷
۱۱۶	زبانِ روا کی	۳۵	۹۶	لارڈ میو گورنر جنرل کا قتل	۲۸
۱۱۹	پورٹ بلیر پر آخری نظر	۳۶	۱۰۱	میں نے انگریزی سیکھ لی	۲۹
۱۲۵	سواہر ہند کو دعا لگی	۳۷	۱۰۳	مغربی علوم کا تمدنِ انڈیا	۳۰
۱۳۱	وطن پہنچ کر	۳۸		موم بیوں کے خلاف سرگرم	۳۱
۱۳۴	خاترہ	۳۹	۱۰۶	کھا اعلانِ جنگ	
۱۳۹	حالاتِ مولانا یحییٰ علی صاحب	۴۰	۱۰۹	اولاد	۳۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ

میری واپسی اٹھ ماہ کے بعد ہر ایک دوست نے جس سے میری ملاقات ہوئی میری قید بست سالہ اور سفر اور امن جزائر کی کیفیت پر چھٹی شروع کی تو ہر شخص کے روبرو ایک بست سالہ تار بچ کلا بیان کرنا و شوار سمجھ کر کچھ مزہ دے ضروری حالات و واقعات جو اس مدت میں سال میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھ دیتا ہوں کہ ہر سائل اور مستفسر کے روبرو اس کو پیش کر دوں۔

جب اپریل سولہ سالہ میں میں نے توار بچ پورڈ بلیر مسی بہ تار بچ عجیب لکھی تھی اس کے تھوڑے روز پہلے میری درخواست رہائی بڑے شد و مد سے حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند سے نامعلوم ہو گئی تھی جس سے اکثر حکام بلکہ خاص و عام کو یقین ہو گیا تھا کہ اس قید فرنگ سے میری رہائی کبھی نہ ہوگی۔ لیکن میں رحمت الہی سے نوید نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے دیا چہ کتاب مذکور میں یہ لکھا تھا کہ دنیا بامید قائم ہے۔ دیکھئے

پروہ غیب سے آکر کیا ظاہر ہوتا ہے بلکہ اخیر و باہر میں ناظرین کتاب نمک  
 سے یہ بھی انتہا کی تھی کہ وہ میرے حق میں دعا کریں کہ ہماری سرکار عدالت شمار  
 ان ننگ و حر ننگ جنگلیوں کی محبت سے عید کرے تاکہ جلد ثانی اس کتاب  
 کی ہند میں حاضر ہو کر اپنے ملک کی بولی میں ناظرین کی تندر کٹیں۔ سواس تحریر  
 دل سوز کو ابھی تھوڑے دن نہ ہوئے تھے کہ خود بخود بلا میری درخواست  
 کے بعد دھیمی لارڈون صاحب بہادر کی زبان سے بطور میری رٹائی کہا ہو گیا۔  
 میری پہلی کتاب تاریخ عجیب کا نام بھی تاریخی ہے اور اتفاقاً حسنہ  
 سے ایک حرف کے زیادہ کر دینے سے اس چھبر میں کی بیشی پورا کر کے  
 اس کا بھی تاریخی نام تواریخ عجیب رکھا گیا۔ گریہ وہی جلد ثانی ہے  
 جس کے مشتہر کرنے کا ہند میں پہنچنے کے بعد وعدہ تھا۔ اب ناظرین  
 باد قار کی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے اس کتاب کو بھی بطور روزنامہ  
 روز مرہ بول چال میں لکھا ہے اور دوسرے لوگوں کے مقولوں اور قصص  
 کو جہاں تک مجھے یاد ہے بچہ ہو ہو نقل کیا ہے۔ مگر اس پر بھی جہاں  
 کہیں بہت فائدے بشریت مجھ سے کسی بیشی ہوئی ہو تو خداوند عالم غیب  
 مانی کرے اور صاحبانِ کتب میں اور اہل علم سے امید ہے کہ جہاں کہیں  
 غلطی یا دین قلم غلط سے اصلاح کر دیں۔ اور میرے حق میں دعا کریں کہ  
 جیسے اس مملکتِ اعظم قیدِ فرنگ سے مجھ کو نجات بخشی ایسے ہی وہ رب  
 کریم مراد دلی پوری کر کے ساتھ خاتمہ خیر کے اس مملکتِ عظیم دنیا سے بھی نجات  
 دیوے آمین تم آمین۔ و ما توفیق الا باللہ و علیہ توکلت و اللہ اعلم

وَقَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَحَبُّ النَّاسِ إِلَىٰ يَتْلُو كُتُبًا أَمْ لَا  
 وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ ۖ وَكَفَرْنَا بِكَ الْإِنْسَانُ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمِنْ عَلَيْكَ اللَّهُ الْإِنْسَانُ  
 صَدِّقُوا ۚ لَنَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ مآثر جہدہ ۔ فرمایا خداوند تعالیٰ نے کیا گمان  
 کیا ہے لوگوں نے کہ فقط سننے سے کہنے پر کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں چھوڑ دیے  
 جائیں گے اور وہ نہ آزمائے جائیں گے البتہ آزمایا تھا ہم نے ان لوگوں  
 کو جو پہلی امتوں کے تھے پس اب بھی بعد آزمائش کے اللہ ظاہر کر دیوے گا  
 کہ کون نیچے مسلمان ہیں اور کون جھوٹے ہیں ۔

جہاں تک جہدہ کو علم ہے اس مقدمہ میں ہم لوگوں کی گرفتاری بھی سب  
 منشاء از حدی اس آیت کے فقط سچے اور جھوٹوں کی پرکھ اور آزمائش کے  
 واسطے تھی ۔ ورنہ وعدہ حق موجود ہے ۔ وَ لَنَبْلُوَنَّكَ بِمَا أَكْفَرْتَ مِنَ  
 عَلَى الْمَوْتِ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُسَبِّحُكَ بِكَرِهٍ لِّكَ وَهُوَ كَاذِبٌ ۚ  
 کبھی بھی سرکار انگریزی کے مآخذ سے ہم کو صدر نہ پہنچتا اور جو جب منشاء  
 حدیث نبوی کے یہی تھی الرجل علی حسب دینہ یعنی ہر آدمی بعد  
 استعداد اپنے ایمان اور دین کے آزمایا جاتا ہے ۔ اس مقدمہ میں بھی  
 دعوتے داران محبت باری تعالیٰ کو جن کو دعوتے ایمان کا خدا بقدر استعداد  
 اپنے ایمان کے جانچا گیا اور جھوٹے اور سچے سب ظاہر ہو گئے ۔ پس یہ  
 کتاب گویا اس آیت مذکورہ بالا کی تفسیر سمجھنی چاہیے ۔ لہذا میں بعد قائم  
 کرنے اس تمہید کے اب اصل مقدمہ کو شروع سے اخیر تک بیان  
 کرتا ہوں ۔ اگر ناظرین اس آیت اور حدیث کے مفسرین کو برابر خیال رکھیں گے



تو ان کو اصل اسرارِ مکتونہ اس توارِ ریح کے خود بخود ظاہر ہوتے چلے جاتے  
 لیکن ان کے سمجھنے کو ایمان درکار ہے۔ میں خود اپنی کم ظرفی اور بے استعدادی  
 اور ضعیف الایمانی کے سبب احساسِ مقدمہ میں ہزاروں اسرارِ مکتونہ کو  
 سمجھ نہیں سکا۔

# باب (۱)

## ابتداءئے عشق

آخر سن ۸۶۳ھ مطابق سن ۱۴۸۰ء ہجری سرحد غربی ہند پر ملک یافتگان میں خود سرکار انگوری کی زبردستی سے ایک جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ جنرل جیمز لیمن صاحب اس جنگ کے سب سالہ تھے۔ ایسٹ کی گھاتی میں جاکر فوج سرکار کو بہت تکلیف ہوئی۔ بیگانے ملک میں سرکار کی مداخلت بے جا کے سبب سے ملا عبد الغفور صاحب آخوند سوات بھی اپنے بھرت سے مریدوں کو ساتھ لے کر آمو جوڑے ہوئے۔ مکی خوانین اوما قتال چاروں طرف سے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے۔ قاتلہ مجاہدین جن کی سرکوبی اور نصیحت داناؤ کرنے کو ہماری سرکار چڑھی تھی انکے رہ گیا بلکہ بدعو اسے حفاظت خود اختیار کی کہ جس دناکس سرکار کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ مجاہدوں نے بھی رہنمائے حصول شہادت داد شجاعت دے کر اپنے جوہر دکھائے۔ غرض دو تین مہینے تک خوب جنگ ہوتی رہی۔ خود جنرل جیمز لیمن صاحب مجروح شدید ہوئے۔ قریب سات ہزار کے کشت و خون کی نوبت پہنچی۔ تمام پنجاب کی چھاؤنیوں کی فوج کھینچ کر سرحد پر بھیجی گئی۔

امد عریہ گر ناگرمی تھی اوسر لا رٹو بلجن صاحب دائرے من چبے کے پہاڑ پر اپنی اس حرکت اور زبردستی چھیڑ چھاڑ پر نادم ہو کر یک یک رٹ گئے

ہندوستان بے گورنر ہو گیا۔ ایسے نازک وقت میں ۱۱ دسمبر ۱۸۶۳ء مطابق ۲۸ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۴ھ بمطابق کو ایک سوار پولیس تعینہ چکی پانی پت ضلع کرناٹک مسی غزنی خان نام ایک دلاستی افغان نے کسی ذریعہ سے میرے حال سے واقف ہو کر اور ایسے وقت میں اپنی دیوی بھلائی کا موقع جانی کر ایک بڑی لمبی چوڑی اور جھوٹی کیفیت خیر خواہانہ کے ساتھ بھنور صاحب ڈپٹی کمشنر کرناٹک کے حاضر ہو کر یہ خبری کی کہ یہ جنگ جو ہندوستانی مجاہدوں کے ساتھ سرحد پر ہو رہی ہے۔ ان لوگوں کو محمد حیدر نیر دار تھا نیسرو پور اور آدمیوں سے مدد دیتا ہے۔ خیر ڈپٹی کمشنر کرناٹک نے یہ دہشتاں سن کر بندہ لیم تار برقی ضلع ابدالہ کو جس کی حدود ارمنی کے اندر ہمارا شہر تھا نیسرو واقع ہے خبر پہنچ دی۔ رادھر خیر خبری کر کے باہر نکلا تھا کہ اُدھر ہمارے ایک دوست ڈپٹی کمشنر صاحب کرناٹک کی ملاقات کو ان کے تنگلے پر پہنچے جن سے عندالذکر صاحب موصوف نے ذکر اس خبری کا بھی کیا۔ جب بعد التفراغ ملاقات کے یہ صاحب ہمارے دست اپنے ڈیرے کو تشریف لاتے تو انہوں نے مسی کا نام ایک اپنے لوگ سے جو میرا ہمارے تھا بطور افسوس حال اس خبری کا بیان کیا۔ مذکور یہ حال سن کر اسی وقت اس کی خبر کرنے کو تھا نیسرو ڈر پڑا۔ لیکن خوبی تقدیر سے کچھ زیادہ رات گئی یہ شخص تھا نیسرو میں پہنچا اور سب سے پہلے میرے مکان پر آیا۔ مگر میں اس وقت گھر کے اندر جا کر سو رہا تھا۔ وہ اس وقت ملاقات کو ہمارا دروازہ بند اور ہم کو سوتے دکھ کر ایسے آرام کے وقت میں ہم کو تکلیف دینا مناسب جان کر

اپنے دل میں سوچا کہ فجر کو خبر کر دوں گا۔ اور تعقید یا اس کو دروازے سے  
 ٹٹائے گی۔ اب ادھر انبالہ کی کیفیت سنئے جب انبالہ میں یہ تار کی خبر پہنچی  
 تو ایک وارنٹ میری خانہ تلاشی کا جاری ہوا اور پکستان پارس صاحب ٹرکٹ  
 سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک جماعت کثیر پولیس کی سات رات کے کہ راتوں رات  
 میرے مکان پر پہنچے یہاں قدرت الہی کا تماشا دیکھئے۔ ایک ہی وقت میں  
 دو آدمی کنال سے مجھ کو خبر دینے کو اور دوسرا انبالہ سے میری خانہ تلاشی کو  
 روانہ ہوئے۔ کنال والا جو میرا خیر خواہ تھا پہلے پہنچا اور کچھ نہ کر سکا۔  
 چاک کو تعقید کے ممکن نہیں گزارا۔

سونہا تدبیر گر ساری کریمتی ہے

مگر یہ دوسرے صاحب بوقت تین بجے رات کے میرے گھونچ گئے  
 پہلے چاروں طرف سے میرے مکان کو گھیر لیا اور پھر مجھ کو باہر بلا یا میں نے  
 باہر جا کر دیکھا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس معہ وارنٹ خانہ تلاشی کے میرے دروازہ  
 پر موجود ہیں۔ انہوں نے اول مجھ کو وارنٹ دکھلایا بعد ازاں کہا کہ آپ اپنے  
 مکان کی تلاشی دو۔ اس وقت میں سمجھا کہ وال میں کالا ہے۔ تب میں نے  
 چائے کرال تلاشی میرے گھر کے اندر کی ہو تو بہتر ہے تاکہ بیٹھک میں جو  
 بلا کا بھرا ہوا خط رکھا ہے کسی طرح پولیس کے آگے نہ آوے۔ لیکن ہونی  
 کون روک سکتا ہے۔ باوجود کے صدر دروازے کے اندر داخل ہو کر میری  
 دہلیز میں مرا سر اندھیرا تھا اور مکان بیٹھک کا جو اس دہلیز کے جانب شمال میں  
 تو بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب اسی بات پر مصر ہوئے کہ پہلے بیٹھک ہی کی

تلاشی کی جاوے۔ اس وقت بیٹھک میں جانے کے واسطے دو دروازوں کا  
کھلوانا ضرور ہوا جو اندر سے بند تھے۔ میں نے چالاک کی سے منشی عبد الغفور کا  
نام (جو اس کے اندر صبح اور چنڈاؤ میوں کے تھے) پکار کر بار بار بلند کہا کہ ٹیڈنٹ  
تلاشی کے واسطے کھڑے ہیں تم جلد دروازہ کھول دو۔ اور اس کہنے سے میری  
یہ غرض تھی کہ کسی طرح وہ لوگ تلاشی کی بات سمجھ کر دروازہ کھولنے سے پہلے  
اس زہریلے خط کو چاک کر دیوں۔ اس میری پکار کو صاحب پرنسٹنٹ  
سمجھ کر ٹیڈنٹ کو مانع بھی ہوئے مگر میں کہاں منتا تھا۔ لیکن تقدیر بھاڑنے  
دیوے تو بھاڑا جاوے۔ اُن اندر والوں نے مارے گھبراہٹ کے میرے  
اشاروں کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور دروازہ کھول دیا۔ اب بیٹھک میں تلاشی  
ہونے لگی۔ اور وہی خط جس کا ڈر تھا اب سے پہلے پولیس کے ہاتھ میں  
آیا اور اسی شام کو اس کی گرفتاری سے فقط چھ گھنٹے پہلے تقدیر نے وہ خط  
میرے ہاتھ سے اکھڑا رکھا تھا۔ وہ خط امیر قلعے کے نام تھا۔ اور اس میں  
اعدائے حق لفظوں میں چند ہزار اشرفیوں کی روانگی کا ذکر تھا۔ اس کے سوا اور  
بھی چند خطوط پارلیمنٹ آمد پٹنہ و رسلہ محمد شفیع انبالوی پولیس کے ہاتھ لگ  
گئے۔ گو ان خطوں میں کوئی ایسا مضمون مضرتہ تھا مگر اُن سے پولیس کو یہ پتہ  
مل گیا کہ محمد شفیع انبالوی اور اہل پٹنہ کی تلاشی اور تفتیش بھی ضروری کرنی  
چاہیے۔ منشی عبد الغفور باشندہ ضلع گیا ملک بہار جو میرے ہاں محرمی کا کام  
کرتے تھے اور جو اس نام ایک بنگالی لڑکے کو بھی جو میری بیٹھک میں بیٹھے  
ہوئے تھے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ گو میری نسبت بھی پولیس کو شک تو

ہوگی تھا لیکن بوجہ نہ ہونے وارنٹ گرفتاری کے اور بلا حصول منظوری عدالت کے جو ایسے مقدمات میں ہوا ضروری ہے اہل پولیس مجھ سے اس دم کچھ مزاحم نہ ہوتے۔

## باب (۲)

### فرار

جب پولیس میرے گھر سے چلی گئی تو یہ بات غور طلب ٹھہری کہ اس وقت مجھ کو کیا کرنا چاہیئے میں نے بخیال اس شہادت و ثبوت کے جوٹن کو میرے گھر سے مل گئے تھے اور اس غصہ کے وقت کو جو تازہ جنگ مرحہ سے سرکار پر چڑھا ہوا تھا ٹال دینے کی غرض سے اس وقت اپنا فرار ہو جانا اور اس نامردی سے جان کو بچانا مناسب جانا۔ گو میں پولیس کی حراست میں رہتا مگر دسے چاروں طرف میرا سراغ لگائے ہوئے تھے میں نے اپنی والدہ ماجدہ سے جو اس وقت زندہ موجود تھیں اور اپنی بیوی سے سلام لے کر اور ان کو اپنے فرار پر راضی پاکر یہ حادثہ کھیل کر میں ۱۲ دسمبر ۱۹۷۱ء کو اپنے شہر سے روانہ ہو کر اول موضع پہلی میں جہاں تحصیل اور تھانہ وغیرہ ہے آیا اور وہاں ملازمان تحصیل اور پولیس سے بھی راستے لی کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہیئے سب نے باتفاق یہ راستے دی کہ تم انبالہ کو جاؤ اور وہاں سے دریافت کر دو کہ یہ کیا مقدمہ ہے اور کس نے یہ مجبوری کی ہے

غرض یہ سب مسلح اور مشدد ظاہری ان سب سے کر کے میں بوقتِ شام بار  
 سڑک کلاں پہلی سے انبالہ کو روانہ ہوا۔ اس وقت بہت سے آدمی چشمِ محبت  
 اور افسوس سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جب میں ایک گھوڑے پر سوار  
 ہو کر چلا سرکسی کو لیتا ہوں گیا کہ میں انبالہ کو جاتا ہوں، جب تک دن کی روشنی تھی  
 میں بار بار سڑک کو انبالہ کو چلا گیا کہ ایک میل بعد ہستہ چلنے کے بعد خوب  
 تاریکی ہو گئی اور مسافر بھی دور دور تک نظر نہ آتے تھے اس وقت میں سڑک انبالہ  
 کو چھوڑ کر جنگل کی راہ سے ایک مسترحجہ پر اپنی زمینداری کی زمین  
 میں تھا میرے متصل قریب ایک بچے ذات کے پہنچ گیا۔ جب میں وہاں  
 پہنچا میں نے دیکھا کہ میری والدہ اور بیوی بچے اور میرا بھائی محمد سعید وغیرہ میری  
 آخری ملاقات کے واسطے وہاں حاضر ہیں۔ خیر میں اپنی والدہ سے آخری ملاقات  
 کر کے اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بسواری ایک عمدہ پہلی کے صبح چلے  
 رہی ۲۲ کو س پانی پت پہنچا۔ میں پانی پت شہر کے اندر نہیں گیا سڑک پر سے اپنے  
 بیوی بچوں کو رخصت کر دیا۔ اس وقت میں جس کسی سے رخصت ہوتا تھا مجھ کو  
 اس زندگی میں اس سے دوبارہ ملنے کی امید نہ تھی۔ اس پہلی گڑ مار سے میں نے  
 کہا وہاں تھا کہ میری جورو بچوں کو پانی پت میں چھوڑ کر تم کو پہلی جینا پار چلے جانا۔  
 یہ پہلی سہ جوڑی بیلوں کے جوہن سو روپہ سے کم قیمت کے نہیں ہیں ہم نے تم  
 کو اس قیمت پر بخش دی کہ تم کسی شخص کو ہمارے بانی بچوں کا پتہ نشان نہ دینا اور  
 جب تک یہ سڑک گرم رہے تھا ایسے کو نہ مانا۔ جس وقت ٹاک خانہ پانی پت کے  
 سامنے میں ساری عمر کے واسطے اپنی جورو اور بچوں سے جدا ہوا اور میرا کچھ اُن کے

سامنے دہلی کو چلا وہ حادثہ قابلِ تحریر نہیں ہے۔ خیر وہاں بسواری کیلئے دوسرے  
 دن چالیس کوس دہلی میں پہنچ گیا اور میاں بھیر دین سوداگر کی کوشی میں ٹھہر گیا  
 میاں حسینی ساکن تھا نیس اور حسینی ساکن پٹنہ اور عبداللہ نام ایک بنگالی سے میری  
 ملاقات ہوئی یہ دونوں آدمی انوار کو پڑھنے سے کچھ اشرافیاں لے کر اسی دن آئے تھے میں نے وہ  
 اشرافیاں ان سے لے کر حسینی ساکن تک میرے محلے کے محلے کے اس کو ہدایت کر دی کہ جیسے ممکن ہو اس کو  
 قافلہ تک پہنچا دو۔ بعد روانہ کرتے جیسے تھا میرے محلے میں نے ان ہر دو کو زندہ  
 زہر کو اپنے ساتھ پورب کو لے پس بے جانا چاہا۔ کیونکہ بوجہ وریشی مکرر اہمیلاد  
 میری خانہ تلاشی کے ملک پنجاب میں اس زہر ہوا تھا۔ اور ان ایام میں میری عمر  
 قریب چھپیس برس کے تھی اور جوشِ شبابی بھرا ہوا تھا بشیب و فراز زمانہ کا  
 کچھ خیال نہ تھا۔ یہ دل میں بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ خدا کا کام ہے وہ خود اس کی  
 حفاظت کرے گا اس سبب سے اس وقت تک میرے دل میں یہ خیال تھا  
 کہ اس واقعے کے سبب سے اس طرف میری تلاش کو کوئی نہ آئے گا۔ میری تلاش  
 انبالہ اور اس کے مغرب میں ہو گئی۔ اس خیالی حکمت پر دہلی پہنچ کر میں نے اپنے  
 مخفی رکھنے کے واسطے کوئی اختیار نہ کیا۔ میں خود اپنے صندوقی لباس میں ایک شکم  
 کڑیا کرنے کو چاندنی چوک تک گیا اور پھر پندرہویں دیکر کو کھلم کھلا ہم بیٹوں  
 آدمی بسواری شکم علی گڑھ کو روانہ ہو گئے۔ ماہ میں گاڑی ہاتھ کے دائیں  
 کو بیت سالتنام واکرام دے کر چلا کر کسی طرح جلدی سے علی گڑھ پہنچ کر ریل پر  
 سوار ہو باؤں کیونکہ اس وقت یہ خیال تھا کہ میں ایسی پانی سے آیا ہوں کہ  
 شاید دست تک میری تلاش کو کوئی اس طرف نہ آوے گا۔ میں اپنی خام خیالی



سے اپنی تدبیر پر ایسا نازاں تھا کہ تقدیر کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ اب مجھ کو ہمیں چھوڑ کر پولیس انجناء کی کارروائی کو سنبھالنے۔

بارہویں دسمبر کو جب سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے خطہ ط اور ڈاکوسوں کو جویرے گھر سے ملے تھے انباء کو لے گئے تو ان کو دیکھ کر بعد حصول منظوری گورنمنٹ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا، وہی پارسن صاحب دوسرے دن میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر تھا نیس آیا اور مجھ کو وہاں نہ پا کر شہر میں آفت مچا دی سینکڑوں گھروں کی تلاشی ہوئی پچاسوں مرد و عورت پکڑے گئے میری بوڑھی والدہ اور میرے بھائی محمد سعید کو اس وقت صرف بارہ تیرہ برس کا تھا اور اس کی بیوی کو قید کر کے ان پر سخت عذاب اور مار پیٹ شروع کی اور ایسا ظلم اور بے عزتی عورت پر وہ نہیں کی ہوئی کہ جس کو سن کر دل کانپ جاتا ہے۔ میری بیوی کے پکڑنے کو بھی کو ایک دوڑ پانی پت کو گئی مگر مولوی رضی الاسلام صاحب کی جو امرد والدہ کی دلیری سے میری عورت بچ گئی خیر مار کھانے والوں میں ایک میرا بھائی محمد سعید نہایت کم سن اور لذت ایمانی اور ثابت قدمی سے سراسر بے بہرہ تھا، اس سخت مار پیٹ کو نہ اٹھا سکا اور ڈر گیا اور اپنی جان بچانے کے واسطے بول اٹھا کہ میرا بھائی دہلی کو گیا ہے۔ یہ خود میری غلطی تھی کہ ایسے اہم ناز پر ایک نابالغ بچہ کو آگاہ کر دیا تھا جس کا نتیجہ میری گرفتاری ہوئی۔ اسی وقت پارسن صاحب میرے بھائی کو ساتھ لے کر بسواری ڈاک دہلی پہنچا۔ اُدھر پنجاب میں میری جا بجا تلاش شروع ہوئی دس ہزار روپے کا ہشتاد میری گرفتاری کے واسطے جاری ہوا۔ کیمپ انباء میں محمد شفیع کے مکان

کی بھی تلاشی ہوئی۔ اتفاق سے اُس وقت محمد شفیع لاہور میں موجود تھے یہاں ان کے بھائی محمد نسیم اور مولوی محمد تقی و منشی عبدالکَریم اُن کے کارندے گرفتار کیٹے گئے اور اُن کو ڈھایا گیا کہ اگر تم سب بحال نہ بتلاؤ گے تو تم کو پھانسی دی جائیگی جان کے ڈر سے محمد نسیم حقیقی بھائی محمد شفیع کے اور مولوی محمد تقی صاحب بڑے چٹانے کارندے اور واعظ جامع مسجد محمد شفیع پر گراوا ہو گئے اور جو پولیس نے اسی کو کھٹایا سو گواہی دے کر اپنی جان بھائی اور منشی عبدالکَریم جنہوں نے حب تعلیم پولیس گواہی نہ دی تھی بلا قصور محمد شفیع کے ساتھ دائم تعجب ہو گئے۔

ادھر پارسن صاحب نے دہلی میں پہنچ کر آفت مجاوی۔ سراؤل اور شہر کے دروازے بند کر دیے ہزاروں آدمیوں کی تلاشی ہوئی۔ پچاسوں آدمی پکڑے گئے۔ اسی پکڑے دہلی میں پارسن صاحب کو یہ پتہ مل گیا کہ میں ظالم مشکوم میں سوار ہو کر فرار ہوا۔ وقت محدود دوسرے آدمیوں کے علی گڑھ کو گیا ہوں۔ تب اُسی دم بدلیہ ساما برقی میری گرفتاری کے واسطے علی گڑھ توجہ دی گئی۔

## باب (۳)

### گرفتاری

خوبی تقدیر سے علی گڑھ میں جو میرے گھر سے قریب دوسری حالت میں میرے وہاں پہنچنے کے وقت یہ خبر تار پہنچی تو اسی وقت بربط رک پولیس نے آسم کو گھیر لیا اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ علی گڑھ کے ہنگے پر چلے

اُس نے مجھ کو جیستر میٹ صاحب کے پاس بھیج دیا جہاں سے میں اور میرے بھائی  
 ہمراہی تھے۔ جواب ثنائی تار کے حالات میں رکھے گئے۔ اسی دن شام کو جیب  
 میں تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا پارس صاحب وہاں پہنچ گئے اور مجھ کو آئینہ میں  
 دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ اس کو بھالسی گھر میں بڑی حفاظت کے  
 ساتھ بند کر دو۔ اسی دم میں ایک بڑی کوٹھری تنگ دروازے میں بند کیا گیا۔  
 اہل دو تین پہر سے اس کے چوگرد مقرر کر دیے گئے۔

اب بھالسی گھر میں بند ہو کر مجھ کو عقل آئی کہ یہ فرار اور غیر تدبیر خداوند  
 تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تھا۔ اور پھر میں، قرتنگ دیکھ کر بالکل اس قرار سے یہ  
 تدبیر بہت بھاری ہو گیا تھا اور جو تکالیف مجھ کو یا میرے عزیزوں اور دوستوں  
 کو پہنچی وہ سب اسی فرار بنا کار کا ثمرہ تھا۔ عاشقی کر کے جانچ کے وقت میرا  
 سے بھاگ جانا ہمدونوں کا کام نہیں ہے۔ بقول حافظؒ  
 بیگانہ راجہ کار بود در بلائے غم  
 آن راز مد کہ خاص بود آشنائے ما

جب بوقت شب بتعام علی گڑھ مجھ کو پہرہ والوں نے پوچھا کہ بھالسی  
 والے مجرم پر بھی صرف ایک پہرہ ہوتا ہے تم ایسا کیا قصور کر کے آئے ہو کہ  
 جس سے تم پر تین پہرے لگائے گئے۔ میں نے کہا کہ میں جس شخص کا غلام تھا  
 ہے اُس کے حکم کے بھاگ آیا ہوں اس واسطے وہ غصہ ہے اور مجھ کو راہ سے  
 پکڑا لیا۔ سب سے پہلے جیل کا کھانا مجھ کو اس جیل میں ملا۔ دو روٹی اور تھوڑا سا  
 ساگ میرے حوالے کیا گیا۔ ساگ میں تو سوائے موٹے موٹے ڈھنڈھلوں کے کچھ ہی کا

نام نہ تھا جس کا جانا بھی شر تھا اور میں میں تریج تھا قی کے بارہ مٹی ملی تھی۔ غیر خدا کا فکر کے  
 تھوڑا بہت اُس میں سے کھایا۔ پھر اس کے بعد اکثر جیل خانوں میں میں نے  
 وقتاً فوقتاً رہ کر دیکھا تو سب جگہ قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا کیونکہ قیدیوں کو  
 دراصل خود کیم ملتی ہے جس سے اُن کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب اُن کو گیہوں  
 پیسنے کے واسطے دی جاتی ہے تو وہ مارے بھوک کے سیروں گیہوں چبا جاتے  
 ہیں یا کچا آٹا پانی میں گھول کر پیتی لیتے ہیں اور آٹے کا وزن پودا کرنے کے واسطے  
 آٹے میں مٹی یا لو ملا دیتے ہیں اور اسی طرح جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا  
 ہوتی ہے اُس کو تو فروخت کر دیتے ہیں یا جیل کے عمدہ مار کھاتے ہیں تاکہ  
 ٹوٹھل جن کو جانور بھی نہ کھاویں گنداسوں سے کائے کوٹ کر قیدیوں کے واسطے  
 پکا دیتے ہیں، وہ بھوکے اسی کیفیت جالی کر ٹاٹھوں ہاتھ اڑا جاتے ہیں۔ گو لو آد  
 قیدیوں کو دو ایک دن اس کے کھانے میں ایذا ہوتی ہے، مگر جب خراب الموع  
 اُن پر مسلط ہوتا ہے تو بلاؤ قرعے سے بھی زیادہ اُس میں مزہ دیتے ہیں اور کھا  
 جاتے ہیں کیونکہ دنیا میں اصل مزا بھوک کہتے۔

## باب (۴)

### استحسانِ عشق

دوسرے دن پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی  
 بسناری شکرم دہلی کو روانہ ہوا۔ شکرم میں سوار کرنے کے پہلے مجھ کو بڑی بھگدڑ

طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ ڈور ایک آؤز زنجیر ڈال کر اور اس کا سر ایک  
 مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور  
 پارسن صاحب اور دوسرا انسپکٹر پولیس میرے داپنے بائیں ہنڈے ہوئے  
 پستول کی جوڑیاں لے کر اور میرے بدلی سے بدن ملا کر بیٹھ گئے۔ اس کے سوا  
 پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کر گئے  
 تو میں اس تینچے سے تم کو مار دوں گا۔ علی گڑھ سے مل کر وہاں تک کھانا پینا تو  
 درکنار کسی سخت مزہ دی حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اتارے گئے جب نہ  
 کا وقت آتا تھا تو میں طلب اجازت تیمم کر کے بیٹھ بیٹھ اشاروں سے نماز  
 پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بدستور چلی جاتی تھی اور وہ چپ چاپ میری نماز کا مشا  
 دیکھا کرتے تھے۔ آخر قید معینیت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم  
 دہلی میں داخل ہوتے جہاں مے جا کر زینبکگ ڈسٹرکٹ پرنسپل ڈپٹی پولیس دہلی  
 کے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ درگور بند کر دیا دوسرے دن دہلی سے کرناٹک اور پھر  
 کرناٹک سے انبالہ ہم کو لے گئے۔ جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی  
 اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینوں آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے مین پھانسی گھرن  
 میں بند کر دیا جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے۔ دوسرے دن فجر کے  
 وقت پارسن صاحب پرنسپل ڈپٹی پولیس اور مسٹر ونگفیلڈ صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل  
 پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کسٹرانبالہ مثل یا جوج یا جوج سکیمیری  
 کو ٹھہری میں آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سبب حال تباہ و تہا رہے  
 وائس بہت بہتر ہو گا۔ میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارسن

صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا جب میری مار حد کو پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹٹائی صاحب اور فاضل صاحب کو ٹٹری سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دلی مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے میرے ذمے کچھ رمضان کے روزے باقی تھے دوسرے دن سے میں نے ان کی قضاء کو ہی شروع کر دی تھی دوسرے دن جب میں روزے سے تھا علی الصبح پارس صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کی مگر تھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی نگہی میں جھلا کر ٹٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بیگلے پر لے گیا۔ جہاں پر وہ مولوں صاحب یعنی ٹٹائی صاحب اور میجر فاضل صاحب بھی موجود تھے اس دن انہوں نے میری بڑی چالپوسی کی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے خسر کا راولہ بھائی جہاد کو قتل دے تو تم کو مرکار کی گواہ کر کے راکھ دینے کے سوا بڑا عہد وہ بھی دیوں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو پھانسی ہوگی۔ میں نے اس چالپوسی پر بھی انکار کیا تو پھر راپس صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں سے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک بکھوں آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیسہ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو لیکن بفضل الہی میں سب سہا گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم دعا کرتا جاتا تھا کہ اسے رب ہی وقت امتحان کلمے تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیں۔ جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار میدان آٹھ بجے رات کے

مجھ کو جیل خانہ کو دلپس بھیج دیا۔ میں تمام دن روزہ سے تھے جگہ سے باہر نکل کر  
 درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا  
 تھا اس کو کھا کر اور شکر الہی کے سوراٹا جس دن میں طاعنی صاحب کے بنگلہ پر اس  
 مار پیٹ کی لذت جگہ کے اندر اٹھارہ تھا اس وقت منشی حمید علی صاحب کھانپوری  
 تحصیل دار نرائن گڑھ صرف اس قصور پر کہ اس نے میری گرفتاری سے چند برس  
 پہلے اپنے کسی دمیوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور بعض عہدہ کچری نے جو اس  
 کے دشمن تھے اس خط کے معنی غلط بیان کر دیے تھے جس پر وہ غریب معزز  
 عہدہ دار معطل ہو کر باہر سڑا۔ میں غمگین بیٹھا۔ میں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی  
 تکلیف بھول گیا اور یہ خیال دل میں آیا کہ مجھ منحوس مالائق کو فقط ایک خط لکھنے  
 پر یہ بیچارہ بے گناہ بھی پکڑا گیا۔ اگر اس کے بدلے بھی مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ  
 رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ میں اپنی اس حالت ناز میں اس کے واسطے بہت  
 دعا کرتا رہا۔ فیصل الہی سے وہ ناکر وہ گناہ آخر بری ہو کر پھراپنے عہدہ پر بحال ہو گیا  
 اور اب تک اعلیٰ درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے۔ اس تاریخ کے بعد پھر مجھ  
 کو کبھی شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی۔

## باب (۵)

### گواہ گردی

جب میری طرف سے تعلیمی مایوسی ہو گئی۔ تو محمد فریح اور مولوی محمد تقی کو

جو میری طرح سے قید میں تھے جنسہ نما کر دیا گیا۔ انہیں کسے بیان سے بے چارہ محمد شفیع جس کو اس مقدمہ سے بہت نفور تھا تعلق تھا لاہور سے پکڑا آیا۔ پھر انہیں کی لاہوری سے پارسن صاحب پٹنہ کو گیا۔ جہاں الیشری پرشاو نام ایک ملازم پولیس ہوسٹل میں باقی کشتہ پٹنہ جو سٹیشن میں مولوی حمید اللہ صاحب خیرہ مودوں کو بے قصور نظر نہ کرنے کے قصور میں برخواست ہو گیا تھا۔ اس کے ٹڈا ہو گئے جن کی غیبت سے اس نے مولوی بھلی علی صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب والہی بخش و میاں عبدالغفار کو گرفتار کر کے انبالم کو بھیج دیا۔ اور پھر پارسن صاحب بنکال کو گیا۔ جہاں جگہ جگہ بہت لوگوں کو گرفتار کیا۔ اکثر لوگ تو لاکھوں تراروں روپیہ خرچ کر کے رہا ہو گئے اور بہتوں کو پھانسی دینے کی دھمکیاں دے کر گواہ بنایا۔ صرف ایک کافی میاں جان ساکن کما کھلی ثابت قدم رہے۔ جو گرفتار ہو کر انبالم کو آئے۔ بصیر الدین و علاء الدین سوادگران دہلی اور بہت سے دوسرے لوگ دہلی سے بھی گرفتار ہو کر آئے۔ پشاور سے لے کر مشرقی و شمالی کنڈ بنکال۔ تک شائد کوئی مالک مسلمان یا مولوی و نمازی باقی رہا جس کو ایک دفعہ پولیس نے پکڑ کر بقدر وسعت اس کے اپنا آتھ گرم نہ کر لیا ہو۔ غرض اس جھوٹے میں دسمبر سے اپریل تک بڑی پکڑ دیکڑ رہی صد ہا آدمیوں کو ڈنڈاؤ سکھلا کر گواہ بنایا۔ اس پارسن گروہی کے دور میں وہ بے چارہ جینی تھا میری بھی جیب دہلی سے اشرفیاں لے کر ٹوٹا چلا آ سکتا تھا۔ پکڑا گیا اور کل اشرفیاں ضبط کر کے بے قصور ہمارے ساتھ ہی دائم محبس ہو گیا۔ اس مقدمہ میں ہم نے دیکھا کہ بڑے بڑے صاحب لوگوں نے قانون و آئین سب طاق پر



رکھ دیا تھا اور ایشری پرشاد وغیرہ ہندو مسلمان نے اپنے قائد سے کے واسطے  
 اس مقدمہ کو رستی سے منسب اور مافی سے پہاڑ بنا دیا اور ہم لوگوں کو بنا کر قبولین یا  
 مہدی سوڈانی مافرمنی دشمن دولت انگلشیہ کا ٹھہرا کر اپنا مطلب نکالنا چاہا چنانچہ  
 ایشری پرشاد وغیرہ جو نہایت اوقافی عہدے پر تھے۔ ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ہو گئے اور  
 بڑی بڑی زمینداری اور جاگیر و حوکہ دے کر سرکار سے لے لی اور غرض خاں مخبر نے  
 تو ایک محض جھوٹا قصہ اپنے بیٹے کے قافلہ کو بھیجنے کا گھر کر ایک دو گاؤں جاگیر  
 سرکار سے لے لیے اور اخیر ۱۳۱۳ھ سے دس برس تک بہار ہندوستان کے  
 مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔ صد ہا مسلمان مارے خوف، کے گھر بار چھوڑ کر عرب  
 وغیرہ ملکوں میں جا بسے خود غرضوں اور خوشایدیوں اور مہار سے مدعی اور دشمنوں  
 نے خوب دل کے چاؤ نکالے۔ دس برس تک انجانوں میں سوائے اس قصہ  
 اور بحث کے کوئی دوسری بات کم ہوتی تھی۔ ایک محکمہ گنواہ شہادوں کے  
 اس دار و گیر کے واسطے برسوں تیار نہ کیا جس کو چاہا پکڑ لیا اور جو چاہا رشوت لے  
 لی اور جس نے نہ دی اس پر ان معمولی گواہوں سے گواہی دلا کر قائم الحجبس کہیا  
 چمبر لین صاحب اس دار گیر و گاہیوں کے کشتہ ہو کر مارا لینڈ ہی اس کا صدر مقام  
 ہوا۔ چنانچہ مولوی قادی حسین صاحب محدث و ہلوی جو ایک نامی خیر خواہ و دست  
 انگلشیہ کے ہیں واسطے خدمت گویندگری و گاہیوں کے دہلی سے مارا لینڈ ہی  
 طلب ہوئے۔ لیکن ابھی کچھ کارروائی شروع نہ ہوئی تھی کہ اس حکم الحاکمین  
 اور سربراہ الامتعام کو یہ کارروائی ظلم اپنے برگزیدہ بندوں پر پسند نہ ہوئی۔  
 یہاں جلد وارنٹ موت ناگہانی خود چمبر لین صاحب کی اس دربار عالی میں طلبی ہوئی

ان کے مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے صاحب کو اس خدمت خطرناک کے قبول کا حوصلہ نہ ہوا۔ تو پھر وہ محکمہ ہی ٹوٹ گیا۔ اور غریب مسلمان بوجہ اس تائید و نصیبی کے اس آفت ناگہانی سے محفوظ رہے۔ اور مولوی تیز حسین صاحب جن پر واسطے اظہار نام کل میرا بی اہل حدیث باشندگان ہند کے جبر کیا جاتا تھا رہا ہو کر اپنے گھر کو واپس آ گئے اور ان خود غرضوں نے ان سود و سود فقیروں ساکنان ملک غیر کا ڈر اور حب ہماری ایسی بہادر اور دانا سرکار کے دل پر اتنا جھاپا اور اس میں ایسا مبالغہ کیا کہ گویا سلطنت انگریزی کا قلع قمع کرنے والے بھی لوگ ہیں۔ اور جس قدر اس کا اثر ہماری خارج قوم پر ہوا ہے۔ وہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس میں کیسے رسی کا سانپ اور رائی کا پہاڑ بتایا گیا ہے۔ اور کن کن لائسنس و لائسنس سے خارج اور مفتوح میں عداوت ثابت کی ہے اور طرہ یہ کہ علی العموم بلا تخصیص تمام ہند کے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ اس تحریر کے بعد بڑے بڑے موقعوں پر ہند کی خیر خواہی و خیر نگاہی ثابت ہو کر وہ کتاب جو بوجہ خارج اور مفتوح کے دلوں کو بگاڑنے والی ہے قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور مولوی سید احمد بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے شروع ہی میں بڑے دلائل سے اس خیالی پلاؤ ڈاکٹر ہنٹر کو زور کے اس کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ اور سر دعویٰ کو اصول ہی سے غلط ثابت کر دیا ہے مگر تو بھی اس کتاب ڈاکٹر ہنٹر کا جادو ابھی تک اکثر انگریزوں کے دلوں پر ہے۔ جو دہائیوں کو اپنا جانی دشمن جانتے ہیں۔ اور اگرچہ ابتدائے عملداری پنجاب سے اقانوں نے صراحتاً بڑے

بڑے معزز انگریزوں اور سیمپھوں کو بلکہ گورنر جنرل تک کو مار ڈالا اور ابھی تک  
 جہاں موقع پاتے ہیں۔ اپنی وحشیانہ حرکت سے باز نہیں آتے اور ان کے  
 مولویوں نے عام فتوئی دے رکھا ہے کہ انگریز کا مارنا یا اثواب ہے۔ مگر  
 تو بھی انگریز افسانوں کو اپنا اس قدر دشمن نہیں جانتے جس قدر وہابیوں کو ٹھہڑ  
 ہٹ کر بدولت اپنا دشمن فرض کر رکھا ہے۔ حالانکہ ابتدائے عملداری سرکار  
 سے وہابیوں سے قبل انگریز تو دیکھا کبھی کوئی حرکت نہ تھی ابھی سر نہ نہیں  
 ہوئی۔ جس بنا پر مسٹر ہلڈ کے عام فتوے کے وقت سبھا کے بغاوت  
 اور قساد کے وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے  
 بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا۔ مگر ڈاکٹر منٹر کے جاؤنے دونوں تھوں  
 کے درمیان برا و تعصب سخت دشمنی اور نفرت پیدا کر رکھی ہے لیکن خدا  
 کا شکر ہے کہ ان بچپس برس گزشتہ کے تجربوں اور وہابیوں کی خیر خواہی  
 نے ڈاکٹر منٹر صاحب کے اس خیالی پلاؤ کو از سر تا پا دھخ ثابت کر دیا اور  
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سفارش گورنمنٹ پنجاب جس کے علاقہ کے وہابی  
 جلد رعایا ہند پر خیر خواہی سرکار میں سبقت لے گئے۔ یہ لفظ وہابی جو ان کا  
 عطیہ خطاب تھا بحکم گورنمنٹ ہند سرکاری تحریکات میں یک تلم لکھا بند ہو گیا اور  
 آئندہ سے یہ لوگ اپنے پڑانے نام محمدی یا اہل حدیث سے پکارے جائے  
 کریں گے اور میں دیکھتا ہوں کہ بوجہ اس قدر فانی گورنمنٹ کے یہ لوگ اس قدر  
 گورنمنٹ کے ہوتے ہیں کہ اگر موقع آپڑے تو سرکار ابد پائیدار پر اپنی اپنی  
 جان نثار کر دیں۔

# باب (۶)

## مقدمہ

آدم برصیر طلب و سبر سے اپریل تک یہ سب وارو گئے ہو کہ یہاں واپریں  
 بھیٹر ٹی ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھرو  
 سے نکال کر کچہری میں لے گئے اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد حسین  
 میرے اوپر اور محمد فرسیح حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پھانسی کی  
 دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے یہاں ساٹھ آدمی جن میں اکثر ملوی  
 ملا تھے ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے۔ لیکن اکثر گواہی دیتے وقت بھی ہماری  
 طرف دیکھ کر زار زار روتے بھی جاتے تھے۔ مگر بے بس۔ اگر گواہی نہ دیوں  
 تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا۔ اور یہ سب گواہ تا اولئے شہادت  
 محکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس  
 ہی سے ان کو محمد، خرداک اور لیاس ملتا تھا۔ چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان  
 بے جا کارروائیوں میں صرف ہو گیا۔ اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ جیس  
 نام ایک ڈاکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پردہ پوش پایا تھا حبیب بٹر ٹی  
 میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آسموختہ بیان  
 میرے اوپر کرنے سے چمکیا یا تو اسی روز رات اس کو ایسی مزلے سخت دی  
 گئی کہ وہ پھر اسی صدمہ سے قبل از ویریشی مقدمہ سشن کے مرگیا مگر دفعہ بدنامی

کے واسطے پارسن صاحب نے اس کا مرنا کسی مرنے سے مشہور کر دیا تھا جس میں ہم اول روز مجسٹریٹ میں حاضر کیے گئے تو میرا بھائی بھی بزمرو گوانان زیر حراست پولیس تھا۔ اُس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیج دی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنالیا ہے۔ سوا ب جس وقت برسرِ اجلاس میرے اظہارِ تحریر ہوں گے۔ تو میں اپنے اُس بیان سے جو مار پیٹ کر دکھایا ہے پھر جانوں گا۔ اس کے جواب میں میں نے اُس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف نہیں ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہارا اظہارِ جلع ہوا ہے تو اب اس سے پھر جانے پر مجرم دروغِ حلفی تم کو سزا سخت ہو جاوے گی۔ میں نو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمہارے پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھا کر ہلاک ہو جائے گی۔ اس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے لکھا ہے وہی اب بھی بیان کر دو لیکن بااں ہم جب اُس کا اظہار میرے سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے ٹکر ہو گیا۔ صاحب لوگ برسرِ اجلاس اس کا انکار سن کر اول تو بیٹے غصے ہوئے مگر پوچھ اُس کی صغریٰ کے اُس کو کچھ سزا نہ دے سکے۔ اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اُس کو نکال دیا۔ کثرت گواہوں کے سبب سے ایک ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچھری مجسٹریٹ میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بروقت درپیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخش جاوے تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی۔ مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے ہم نے حینِ دورانِ مقدمہ میں

تیمم کر کے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی۔ ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سپرکشن ہوا اس وقت تک ہم پچانسی کے گھروں میں علیحدہ علیحدہ قید تھے بعد سپرولگی سشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کر دیا گیا بعد ایک مدت کے تنہائی اور جگہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی۔ میں تو سعدی کا یہ شعر اکثر پڑھ کر رہا تھا۔

پائے در زنجیر پیش دوستاں

بہ کمر با بیگماں در بوستاں

گر ایک مدت دراز چار ماہ تک کے تخلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا۔ انوار الہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب عکس ہوتے تھے۔ نماز روزے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسول پاک کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی۔ اس وقت مولوی یحییٰ علی صاحب کی صحبت ایک مفتحات سے تھی مگر محمد شفیع اور عبدالکریم یہ دونوں آدمی کسی قدر شدید خاطر رکھتے تھے باقی ہم نو آدمی اس حوالات میں بھی نہایت شاد دل اور فرحان تھے۔ اور یہ خاکسار تو جب اپنی ویسلی منسی اور کم علمی پر خیال کر کے انعامات الہی اور اس سر فرازی کو جو میرے حال بدلنے پر مہذول تھی مقابلہ کر کے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ میری مثل ٹھیک ایسی ہے کہ جیسے کسی چمار کے سر پر بلا واسطہ سفارش و بلا استحقاق دیا وقت خاقی کے تاج شاہی رکھ دیا جاوے۔ میں اور میرا حسب نسب اور ریاست کہاں اور

یہ سرفرازی خدا کے راہ میں امتحان ہو کر ثابت رہنے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ایسے امتحانوں میں پیغمبر اور صحابہ لوگ بھی گھیر جاتے تھے۔ اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اولیٰ سے آخر تک میری زبان پر تومسک ہی مسک جا رہی رہا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر تھی وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کرتے تھے ۛ

لست ابالی حین اقتل مسلماً علی امی شق کان فی اللہ مصرعی

وذلك فی ذات اللہ وان یشأ بیادک علی اوصالک شلو مصرع

تو جہہ پہ نہیں پوچھتا ہوں میں جب کہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پر ہو پھر جانا میرا طوف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے برکت دیوے اوپر ملا دینے ٹکڑوں پر اگندہ کئے ۛ اور یہ وہ رباعی ہے جب حضرت خضیبؓ ایک صحابی کو کھارمکھ پھانسی دینے لگے۔ اس نے نہایت جوانمردی سے یہ رباعی پڑھ کر راہ خدا میں جان دی اور شہید ہوا۔ اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جبریل علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سید صاحب کے فراق میں پڑھا کرتے تھے ۛ

اپنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گزیرے

کوئی مات آپ آئیں گے دن بہت تنہا میں گزیرے

کچھ عرصہ کے بعد خرابی پیل میں یہ قدمہ باجلاس مہجر ایڈورٹس صاحب محلہ سٹن میں پیش ہوا۔ وہاں بھی ایک ہفتہ تک رو بیکاری ہوتی رہی محمد رفیع

اور عبد الکریم کی طرف سے سٹرگڈال ایک بیرسٹر محکمہ جسٹری میں وکیل اور  
 پیر و کاہتھے اور جب یہ مقدمہ کھری کشن میں پیش ہوا تو مولوی محمد حسن صاحب  
 اور مولوی مبارک علی صاحب نے جو پٹنہ والوں کی طرف سے پیر و کاہتھے سٹر  
 پلوٹن نام ایک دوسرے وکیل کو بلایا۔ یہ وکیل بڑا جہاں دیدہ اور فہیڈ ایک  
 مشن آدمی تھا۔ جب پلوٹن صاحب اپنا حتمہ نامہ لے کر خطرات میں ہمارے  
 دستخط کرانے کو آیا تو مولوی عبد الرحیم صاحب مولوی کچھی علی صاحب والہی بخش  
 سو اگر حسین و قاضی میل جان صاحب و عبد الغفار صاحب و منشی عبد القادر  
 آٹھ مدعا علیہم نے اس پر دستخط کر دیے۔ مگر میں نے اپنے دستخط نہیں کیے  
 اور کہا کہ میں وکیل ہوں اپنی جواب دہی آپ کروں گا مولوی کچھی علی صاحب  
 اس تقرری وکیل اور بربادی روپیہ سے راضی نہ تھے بلکہ اگر دوسرے لوگ ان کو  
 نہ روکتے تو وہ اپنے نیک اعمال کا اقبال کرنے کو تیار تھے۔ گمان کی طبیعت  
 کچھ ایسی سیدھی اور بے ہند تھی کہ جب ان سے حتمہ نامہ پر دستخط کر لے کو کہا گیا  
 تو بے ہند اس پر بھی دستخط کر دیے۔ اب سرکار کی طرف سے مجھ کو تکمیل جواب  
 اور پارس صاحب پیر و کاہ اور وکیل تھے اور دس مدعا علیہم کی طرف دو وکیل  
 اور میں بذات خود اپنی جواب دہی کرتا تھا جب کوئی گواہ پیش ہوتا تو پہلے  
 اس کا بیان صاحب کشن جج آپ لکھتے اور سوال جرح کے خود کرتے۔ بعد  
 اس کے سرکاری وکلاء اور اس کے بعد ہر دو وکلاء مدعا علیہم ایک دوسرے  
 کے بعد اور سب کے آخر میں یہ خاکسار سوالات جرح کے کرتا۔ چونکہ میں سب  
 سے زیادہ اس مقدمہ سے واقف اور دان گواہوں کے حالات اور علم لیاقت



سے بھی بخوبی آگاہ اور اس فن و کائنات میں بھی پورا تجربہ حاصل اور اس وقت  
 بہ نسبت دوسروں کے مجھ کو خدا تعالیٰ سوالات جرح بھی خوب سوچھاتا تھا۔  
 اکثر گماہ میرے سوالات کے جواب سے تنگ آکر دو ٹوٹی دو ٹوٹی کرنے لگتے  
 تھے۔ اور بوجہ اجلاس عام مجھنے کے بہت سے یورپین اور اسی تماشہ بین  
 حاضر ہو کر یہ تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ چار اسیسروں ہندو دو مسلمان دو سا  
 ضلع اقبال سے بلائے گئے تھے۔ جب شہادت لرفین تمام ہو گئی تو وہاں علیہم  
 کے جواب لیے گئے۔ دس مہرموں کا جواب تو ان کے وکیلوں نے تحریر کر دیا  
 داخل کیا۔ اخیر میں صاحب مشن جج نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بولو  
 تمہارا کیا جواب ہے۔ تب میں نے ہر ایک ثبوت مدخلہ سرکار کی تردید بیان  
 کر کے اپنا جواب نہایت مشرح اور مدلل لکھنا شروع کیا صاحب جج نے  
 اس میں سے کسی قدر لکھ کر بٹ سے غصہ سے مجھ سے کہا کہ اس جواب سے کچھ  
 فائدہ نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قصور کا اقبال کر کے عدالت کی ہٹائی  
 اور رحم سے اپنی حقانی مانگو۔ میں یہ مخالفانہ تعلیم کا سبق سن کر چپ ہو رہا اور  
 کہا کہ میں فقط انصاف چاہتا ہوں سو آپ سے اس کی امید نظر نہیں آتی۔ اس کے  
 بعد میں نے دس بارہ آدمی گواہ اپنی بریت کے بلانے چاہے سو وہ بھی بلائے  
 نہ گئے۔ بلکہ جب واقعہ ۲ مئی ۱۹۱۶ء روز منانے حکم کے اپنے گواہوں  
 کو میں نے آپ حاضر کر دیا تو بھی ان کے اظہار نہ کئے گئے۔ مگر محمد شفیع اور  
 دوسرے اکثر مدعا علیہم کی طرف سے بہت گماہ گزریے لیکن بے سود۔ کوئی سنتا  
 ہی نہ تھا بلکہ محمد شفیع کی طرف سے ایک سو سے زیادہ سالہ تعلیمیت خیر خواہی ذخیرہ نکالی

سرکار و عہدہ کارگزاروں کے پیش ہوتے جن کی نسبت اس مقصد جج نے یہ لکھا ہے کہ ہر ہر فرقہ ان سائیکلوں کا محدثین کے مجرم اور جی سزا ہونے پر ایک دلیل ساطع اور برائے قاطع ہے۔ ہمارے لائق اور ویرنہ وکیل مسٹر بلوڈن نے بہت سی قانونی کتابوں اور لٹرائس سے ثابت کر کے یہ جواب لکھا تھا کہ ملکہ مستحانہ وغیرہ مقامات جہاں یہ جنگ جس کی اعانت کرنے کا ان لوگوں پر الزام ہے واقعہ ہوا عملداری سرکار سے باہر ہیں اور لقطہ جنگ کرنا یا ملکہ معظمہ یا کائنات مصرحہ دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند کسی جنگ وقوعہ پر وہ حدود عملداری سرکار پر صادق نہیں آتا۔ چنانچہ تمثیل ب زیر دفعہ ۱۲۱ صاف لکھا ہے کہ زید نے جو مالک ہند میں ہے یا خیموں کو ہتھیار نہ بھیجنے سے ایک بات میں اعانت دی جو گورنمنٹ ملکہ معظمہ واقعہ سیلون کے مقابلہ میں اندر ہند مالک مقبوضہ ملکہ کے ہوئی تو زید ملکہ معظمہ سے جنگ کرنے میں اعانت کا مجرم ہو گا۔ اس واسطے ان لوگوں کو اس دفعہ کی دوسرے سزا نہیں ہو سکتی حجب صاحب سشن جج اور دوسرے انگریزوں نے یہ دلیل وکیل کی مٹنی تو ایک دم سر ہونگے احد سوائے ماں اور سبھا کے کوئی جواب نہ بن آیا۔ مگر اس مقدمہ میں تو انگریزوں کو پرے سرے کا تعصب تھا۔ شروع کا دوائی سے اس مقدمہ میں قانونی طاق پر لکھ دیا تھا اس واسطے بعد لینے اس جواب کے واسطے واسطے مشورہ باہمی کے مقدمہ کو چند روز کے واسطے ملتوی کر دیا گیا۔ اور جان لائس صاحب بہادر گورنر اور دوسرے بڑے بڑے افسروں سے جو خواہ مخواہ ہمارا قلع قمع ہی چاہتے تھے مشورہ کیا گیا ان کو تو خود غرضوں نے یہ سوچا رکھا تھا کہ

اگر ان چند غریبوں کو پھانسی دے کر وہابیوں کا ہند سے قلع قمع نہ کر دو گے  
 عملہ ارمی سرکار ہند میں رہنا محال ہے پھر قانون کو کوئی سنا ہے۔

## باب فیصلہ

بعد التماس دراز کے ۲ مئی ۱۸۶۷ء کو پھر ایک آخری اجلاس  
 سشن ہوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتویٰ سنرا اپنے گھر پر بٹھ کر  
 حسب ایما رگورنر صاحب کے لکھ لائے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے  
 ساتھ ہی پہلے چاروں اسیہ وں کے سشن جج صاحب نے خواہد ہو کر  
 فرمایا کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سنا اب جواب کی  
 بات ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیہ وں وقت بھی  
 ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر بھرتے تھے اور دل سے ہماری مٹائی کے  
 خواہاں تھے۔ مگر جج صاحب جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر رائل پایا  
 تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جو مقدمہ جبر و  
 قرار وادان پر ثابت ہے۔ پھر تو صاحب جج و کمشنر نے بندھوا اس حیدر  
 قانونی کے لپنی تجویز جو پہلے سے میز پر رکھی ہوئی تھی پڑھنی شروع کی جس  
 میں آئیں بایں شائیں کر کے پلوٹن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا اور  
 پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقلمند اور ذی علم

اور قانون دان ادا اپنے شہر کے قید خانہ اور رئیس جو تم نے اپنی ساری جتنی دینی اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ تمہارے فریب سے آدمی اور وہ پیر سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا۔ تم نے سوائے انکار بجٹ کے کچھ حیلہ بھی خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فحاشی کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پچاسی وی جاوے گی۔ اور تمہاری کل جائیداد ضبط سرکار ہوگی اور تمہاری دیش بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جاوے گی بلکہ نہایت دولت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جاوے گی۔ اور اخیر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تمہیں پچاسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہونگا۔ یہ سارا بیان صاحب موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سنا مگر اس آخری فقرہ کے جواب میں میں نے کہا کہ جانی دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں ہے وہ رب العزت کا در ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کرے لیکن اس جواب یا سواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پچاسی کا حکم دینے سے زیادہ اہم میرا کیا کر سکتا تھا۔ جس قدر سزائیں اس کے ختمیہ میں تھیں سب دے چکا تھا۔ لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم دینے کے تھوڑے عرصہ بعد ناگہانی موت سے لاپرواہی ملک عدم ہوا۔ مجھ کو اپنی اس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے کہ میں اس حکم پچاسی کو سن کر خوش ہوا تھا کہ شاید مغفرت اعلیٰ کی سلطنت ملنے سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا۔ اس حکم کے سننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگیں تھیں میرے بعد

مولوی بھٹی علی صاحب اور ان کے بعد محمد شفیع اور ان کے بعد نمبر دار سب آدمیوں کو حکم نما کا سنا دیا گیا۔ جن میں میں اور مولوی بھٹی علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی اکثر مجرموں کو دائم حبس عبور دیئے شروع منبطی کل جائداد کے مزائی میں نے مولوی بھٹی علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا تاہم انہوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تعاملاً اس دن پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے قریب تمام کے احاطہ کچھری قلعہ انہما کا خلعت سے بھرا ہوا تھا۔ حکم سنا کر اس کا چپ مونا تھا کہ صدقاً مسلح اہل پولیس زیر حکم کپانی پارسن صاحب میرے نزدیک اگر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ہے تم کو دونا چاہیے تم کس واسطے اتنا بشاش ہے۔ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر حسب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو۔ اس تمام پر یہ بات بھی بیان کرنا فرمادی ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی مگر خداوند تعالیٰ منتقم حقیقی تو موجود تھا گو اس کے کام دیا اور ہولت سے ہوتے ہیں۔ ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گزرتے تھے کہ یہ بے خوف بھی دنیا ہی میں یا کل ہو کر رہی ملک عدم ہوا۔ اس دن تماشہ بین لوگ ہماری پھانسی کا حکم سن کر اکثر زار زار روتے تھے۔ کوئی خدا کی مرضی اور رضا بقضائے اپنے رنج کو دیکھتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا جیل خانہ مکہ عیسویں مرد

عورت ارد گرد مڑک کے ہمارا منہ دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی۔ اور ہم سب کو گیر واباس پہنا دیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔ ۲۴ مئی کی رات کو جب ہم ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جنواب مسراج الدولہ کے بلیک ہول تکلہ کلکتہ سے بھی بڑی ہوئی تھیں بند ہوئے تو پہلی ہی رات کو جہنم کا نمونہ ہو گیا۔ اس کی صبح کو ہم نے اٹالہان جیل خانہ سے اپنی یہ تکلیف دہ بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت شب ان کوٹھڑیوں سے باہر رکھا جائے۔ مگر سب اٹالی جیل خانہ مالے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تارگھر سے ایک لٹافہ فروری لے کر پہنچا۔ لٹافہ کھول کر دیکھا تو اس میں یہی لکھا تھا کہ ان تینوں پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلا یا کر دے۔ یہ طرفہ تماشا تائبہ الہی کا دیکھ کر اسی جیل خانہ والوں نے ہم کو چمکے مٹا دیا۔ ہمارے واسطے بڑے استہمام سے تین نئی پھانسیاں اور اس کے ریشمی رستے تیار ہوئے اور ادھر مشیل مقدمہ کو واسطے منظور پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

# باب (۸)

## چیف کورٹ

ہمارے دونوں وکیل بھی کچھ زائد مختار نہ کر رہے مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی مبارک علی صاحب و محمد سعید میر بھائی و عبدالرحمن پسر محمد شفیع کے چیف کورٹ میں پہنچے اور میر ذکریا صاحب و غیرہ سرکاری و کلا اور شرکا بھی سب سے پہلے حاضر ہوئے۔ اور جیل میں نقل حکم منگوا کر میں نے بھی تہمت اپیل خوب مدلل لکھ کر معرفت پسر غنڈہ ٹنٹ جیل کے چیف کورٹ روانہ کر دیا۔

کیونکہ چیف کورٹ میں بھی چند اجلاسوں میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں بھی مسٹر بلوچان ہمارے وکیل نے بڑے وکیل سے بااثر تمام کہا کہ زیر دفعہ ۱۲۱ یہ لوگ ہرگز قید نہیں ہو سکتے۔ اس دفعہ کے رو سے ان کو قید کرنا سراسر خلاف قانون ہے۔ کوئی دوسری دفعہ ان پر قائم کر و مسٹر رابرٹ کسٹ صاحب نے جو اس زمانہ میں جوڈیشل کمشنر تھے اس قانونی دلیل وکیل کو برسر اجلاس تسلیم کر لیا لیکن وہاں بھی مشورہ کرنے کے واسطے چند روز کا التوا کیا گیا۔ اس کے بیچ میں اخبار والوں نے اپنی اپنی رائے لگا دی کہ یہ لوگ رہا ہو چکے فقط حکم سنانا باقی رہ گیا ہے۔ ہمارے گھر والوں کو تو ہماری رہائی پر اس قدر یکتا ہو گیا تھا کہ ہمارے گھر سے ایک نیا جوڑا کپڑوں کا بھی تیار ہو کر آگیا تھا کہ بروز رہائی میں اس کو پہن کر گھر آؤ گے۔

چیت کو رٹ کا التوا بہت لیا ہوا۔ غالباً ولایت تنک کی رائے ہم کو غلامی  
 قانون قید کرنے پر لی گئی۔ ۲ مئی تاریخ سنائے حکم پھانسی سے ۱۱ ستمبر  
 تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔ اٹلیائی جیل ہمارے پھانسی دینے  
 کا سامانی تیار کر رہے تھے اور اوسر ہم انگریزوں کا تماشا بن رہے تھے۔  
 صد ہا صاحب لوگ اوسر ہم کو تماشہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے  
 تھے۔ مگر سفلات دوسرے عام پھانسی والوں کے ہم کو نہایت شامان و  
 فرحان پا کر یہ یوں و یوں زوارین بہت تعجب کرتے۔ اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ  
 تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی تم خوشی کے واسطے کہتے ہو۔ ہم اس کے جواب  
 میں صرف اسی قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم  
 سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا مقام ہے اس واسطے ہم کو خوشی ہے شہان  
 الہی سے ہم پھانسی گھروں ہی میں تھے کہ بقرعید آگئی۔ ہم کو خیال ہوا کہ آج  
 مسلمان خوب قربانی کا گوشت اڑاتے ہوں گے۔ اس خیال کے تھوڑی دیر  
 بعد بوقت شب پلاؤ اور قورمہ اور قلیہ اور کباب وغیرہ بقرعید کے کھانے  
 سب ہمارے واسطے اسی پھانسی گھر میں غیب سے موجود ہو گئے۔ ہم نے  
 خوب سیر ہو کر کھایا اور شکر الہی ادا کیا۔ ایک رات کو اسی پھانسی گھر میں  
 ہم تینوں آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوتے باتیں کرتے تھے کہ اس وقت ہمارے  
 سب محافظ آپس میں صلاح کر کے ہم سے کہنے لگے کہ تم تینوں آدمی اس وقت  
 اندھیری رات میں بھاگ جاؤ ہم کو بھرم غفلت کچھ قید وغیرہ کی سزا ہو جائے گی  
 سو ہم اس کو بھگت دیوں گے لیکن تمہاری توجان بچ جائے گی۔ ہم لوگوں نے



یہ بات سُن کر اُن کی ہمت اور نیت خیر کا شکر برآ گیا اور کہا کہ خداوند کریم  
 دونوں جہان میں اس نیک نیتی کا اجر تم کو دیوے گا مگر تم نہیں بھاگیں گے  
 جب خدا پھر اُسے گا آپ سے آپ چھوٹ جاویں گے اور میں نے یہ بھی  
 کہا کہ جب اس کی مرضی نہ تھی تو بھائیوں میں علی گڑھ سے پکڑا ہوا آگیا اب  
 ہم سے ایسی حرکت دوبارہ نہ ہوگی۔ بقول شاعر؎  
 رشتہ در گردنم فسخندہ دوست  
 سے برد ہر جا کہ غلط خواہ دوست

جب ہم پھانسی کے گھروں میں قید تھے تو قاضی میاں جان صاحب  
 بیمار ہو کر ہسپتال میں گئے۔ مگر ہسپتال سے بھی اکثر بیماری طاقات کے  
 کے واسطے پھانسی گھروں میں آیا کرتے تھے۔ اپنے مرنے کے وقت ایک  
 دو دن پہلے انہوں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک تخت جو ہر گیارہ آسمان  
 سے اُترا اور اُن کو اس پر بٹھا کر آسمان پہلے گئے۔ اس کے دوسرے  
 دن اُن کی وفات ہو گئی اور تعبیر خواب وہی ہوئی کہ وہ تخت فرود میں سے  
 اُن کے لینے کے واسطے آیا تھا اور اُسے لے گیا۔ یہ بزدگ ہم لوگوں میں سب سے  
 زیادہ ہنس تھے۔ مگر باایں ہمہ بڑے صابر اور مستقل مزاج تھے۔ خداوند کریم  
 ان کو جنت نعیم کرے۔ ہمارے ہمراہیوں نے اُن کو غسل اور کفن دیکر  
 اور اُن کی نماز جنازہ پڑھ کر گودستان جیل میں اُن کو دفن کرا دیا۔ جب  
 ہم پھانسی گھروں میں بند تھے انہیں ایام میں ایک رات کو بچام تھا میر  
 میری والدہ کو ایک سانپ نے کاٹا۔ اُس کے زہر سے اُن کا انتقال ہو گیا۔

نہا ہے کہ وہ بھی بہت استقلال سے جاں بحق تسلیم ہوئیں۔ بہت لوگوں نے کچھ مشرک بھاڑ پھونکنے والوں کو بلا کر ان کی صحت کلمے واسطے کچھ رسومات مشرک کرنا چاہا تھا۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ میرے گھر سے مشرک رجعت مدت سے اٹھ گیا ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کی غیر حاضری میں اپنے گھر میں شرک نہ ہونے دوں گی۔ ایسی بے ایمانی کی حیات سے موت افضل ہے۔ جب ان کے مرنے کی خبر ہم کو پیدائشی گھر میں پہنچی تو مولوی یحییٰ علی صاحب نے مراقبہ میں اسی رات کو دیکھا کہ وہ بڑی شان و شوکت سے جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہیں۔ مولوی صاحب نے ان سے پوچھا کہ یہ مرتبہ عالی آپ کو کس سبب سے ملا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے کی مصائب پر صبر کرنے کے سبب سے مجھ کو میرے رب نے بخش دیا اور یہ درجہ عنایت کیا اس وقت ان کی وفات بھی ایک امتحان پر امتحان تھا کہ جان و مال۔ آبرو و ہر شے کی پوری پوری جانچ کی جاوے۔

## باب (۹)

کالایانی

مستحق وارث کو حکم نظر بند دی لا

کیا کہوں کیسے رہائی ہونے ہوتے رہتی

ایک یہ بات بھی اس مقام پر قابل تذکرہ ہے کہ جس زمانہ میں ہم لوگ

پھانسی گھروں میں قید تھے۔ انہیں ایام میں ایک مقبول بارگاہ الہی برائے رب  
العرزت نے پیشکش کرادیا تھا کہ ہم لوگوں کو پھانسی نہ ہوگی۔ مگر کسے پانی  
کو جانا ہوگا۔ اور میں وہاں سے پھر زندہ باعزت واپس آؤں گا۔ ہماری  
پھانسی کی موقوفی کا حکم اس پیشین گوئی کے صواب بعد ہوا۔ مگر ہم لوگوں میں اس  
پیشین گوئی سے پورا پورا یقین موقوفی پھانسی اور کسے پانی کو جانے کا ہو گیا تھا  
چنانچہ میں نے اپنے بھائی اور بعض دوستوں کو اسی وقت اس خوش خبری  
کی اطلاع بھی کھدی تھی۔ مگر اس وقت کہ جب ساری سلطنت انگریزی  
باتفاق ہمارے پھانسی دینے پر مستعد تھی اور ظاہر کوئی صورت موقوفی پھانسی  
کی نظر نہ آتی تھی۔ شاید کسی کو اس پیشین گوئی کو یقین نہ ہوا ہو کیونکہ وہ ایک  
ایسا وقت تھا کہ اگر کوئی شخص ہمارے واسطے ذرا بھی کلمہ خیر کہتا تو قید  
ہو جاتا تھا بیسیوں آدمی ہمارے شہر کے نقطہ اسی قسم کے قصوروں میں  
قید ہو گئے تھے۔ کہ ان کے پاس سے کوئی ایک میرا سبب نکل آیا یا بعد  
منجلی و نیلام میرے مکانات کے میرے بال بچوں کو کسی نے اپنے گھر میں رہنے  
کو جگہ دے دی۔ اس وقت اگر شاہ روم بھی میری سفارش انگریزوں سے  
کرتا تو کبھی منظور نہ کرتے۔ ایسے حالات میں موقوفی پھانسی محض غیر ممکن اور بے  
اقتباس تھی۔ اب اس مطلب القلوب کی ظاہری کاروائی کو سینے جب بہت  
سے صاحب اور مہم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں و فرحاں دیکھ گئے  
تو یہ چرچا صاحب لوگوں میں پھیلا تب اُن صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی  
دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو زندہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے

وہ ایسا خوش چور ہے ہیں، دینی نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کو کالے پانی جیجکروا  
 کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرنا چاہیے۔ ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری  
 پیشین گوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۹ ستمبر کو پھانسی گھروں میں ٹھہرنا  
 لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پٹھ کر سنا دیا۔ کہ تم لوگ پھانسی پڑنے  
 کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس واسطے سرکار تمہاری  
 دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی سزائے دائم تجس  
 بیعور و ریائے شور سے بدل گئی۔ بھروسہ نہ کرنے اس حکم کے ہم کو پھانسی گھروں  
 سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بایکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور  
 کے موافق مقرض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش  
 کر منڈی بھیر سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی بھی علی صاحب  
 اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ  
 کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

## باب (۱۰) مشقت

ایک تماشہ قدرت الہی کا اور بھی قابل ذکر کرنے کے ہے اور وہ یہ  
 ہے کہ بوجہ میرے بھاری مجرم ہونے کے میرے واسطے رستہ اور پھانسی کی  
 لکڑی خاص طور پر نہایت مفید و تیار ہوئی تھی۔ مگر زبردستی تقدیر سے میری

پھانسی تو موقوف ہو گئی اسی اثنا میں بجرم قتل ایک خاص ولایت کے  
 انگلش زمین گورہ کو پھانسی کا حکم ملا۔ اور وہ سب سامانی پھانسی جو میر سے  
 واسطے تیار ہوا تھا اس بے چارے پر وہیں ہم قوم کے نصیب ہوا چاہ کن  
 راجہ درپیش۔ جو درہ بڑے ہستام سے میرے گلے میں ڈالنے کے واسطے  
 تیار ہوا تھا اس قادر مطلق تعقل و لب نے ایک ذات بھائی کے گلے میں  
 ڈالوا دیا۔ اور مجھ کو صاف بچا لیا۔ اس وقوعہ عجیبہ کے بعد لوگ اس سردار  
 الہی کو ایک بڑی سیادت الہی سے سمجھتے تھے۔ اسی سبب سے بعد پھانسی  
 اس گورہ کے وہ رسم بھی کر لے ہو کر تیر گاؤں میں تقسیم ہو گیا بعد نے تیغ  
 حکم پھانسی کے جب دوسری فجر کو ہم تینوں آدمی بھی دوسرے قیدیوں کے  
 ساتھ مشقت میں بھیجے گئے تو نبی بخش دارودہ جیل اور رحیم بخش نائب و غلہ  
 اور دوسرے سب دیسی افسر گوہمار سے غایت فرما تھے مگر بوجہ خوف صاف  
 پسر ٹنڈنٹ جیل کے ہم تینوں آدمیوں کو کاغذ کٹنے کی ڈھائی منگلی کے کام  
 میں جو اس جیل میں سب سے زیادہ سخت کام ہے دے دیا۔ تھوڑی دیر تک  
 جب ہم نے اس کو پاؤں سے ہلایا تو پاؤں اشل ہو گئے۔ مگر اسی وقت  
 ڈاکٹر بخش صاحب عرف ریلو پسر ٹنڈنٹ جیل کے کاغذ گھر میں تشریف  
 لائے تو ہم ڈھائی منگلی کے سخت کام میں دیکھ کر دارودہ پر بہت خفا ہوتے اور  
 ہم کو اس سخت کام سے نکال کر محمد شفیع اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو تو سوت  
 کھونے کے کام میں لگا دیا اور میرا ہات پکڑ کر مجھ کو ایک ناؤ گلی کے پاس  
 جس میں کاغذ پھاڑ کر بھیگوتے تھے بے گئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ یہ دفتر

کی رودی ہے۔ غالباً تمہارے ہاتھ کے نکلے ہوئے کاغذ بھی اس میں منروہ ہوں گے تم اپنا دل بہلانے کو ان کا قذات کو پڑھتے بھی رہو اور رودی کو بھانڈ کر اس ناؤ میں ڈالتے جاؤ۔ فضل الہی سے میری مشقت بھی دل لگی اور تفریح طبع سے خالی نہ تھی اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی تائید الہی سے کسی سخت کام میں نہ تھے۔ ہم دن بھر کام کر کے رات کو سب کے سب ایک جگہ بارک میں جا کر سو رہتے۔ جب ہم جیل میں گئے تو قیدیوں کو صرف روٹی اور دال اور ہفتے میں دو یا تین دن ترکاری تیل سے بھکاری ہوئی ہلا کرتی تھی۔ گھی اور گوشت یا دودھ وہی کبھی کسی قیدی نے ابتدائے عملداری سرکار سے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب تائید الہی کا کارنامہ سنیے ہمارا جیل میں داخل ہونا تھا کہ محکمہ پکٹر جنرل مجلس پنجاب کو عہدہ گوشت اور گھی اور وہی ملنے لگی ان نعماد غیر مترقبہ کو دیکھ کر سب قیدی ہم کو دعا دیا کرتے تھے کہ تمہارے سبب سے ہم نے بھی نعمتیں کھائیں۔ مگر طرفہ یہ کہ جب تک ہم لوگ جیل ہائے پنجاب میں رہے تب تک یہ چیزیں سب جیل خانوں میں برابر ملتی رہیں مگر ہمارا کاسے پانی کو روانہ ہونا تھا کہ پھر وہ چیزیں ایک قلم بند ہو گئیں۔ بلکہ کھائے گھوں کی روٹی کے ہمارے جانے کے بعد جوار یا جیسے کی روٹیاں بے چارے قیدیوں کو ملنے لگیں۔ ہم جیل انبالہ ہی میں تھے کہ دیانٹی بخارہ سرسام بڑے زور شور سے قیدیوں میں پھیلنے لگی پچھلا کوئی پچھام قیدی اسی مرض سے فوت ہو گئے۔ اور یہ کیفیت تھی کہ آدمی بخارہ یا آدمی سرسام ہوا اور چٹ سے مر گیا۔ ہیلیے دو دو پیسے کی میعاد وائے قیدی بھی بہت

مرگے جیل کے باہر چھے کھڑے کر کے قیدیوں کو وٹاں لے گئے۔ مگر حضرت بخار وٹاں بھی ساتھ رہے۔ یہ خاکسار بھی اس وبا سے عام سے نہ بچا اور سخت بیمار ہو کر شفا خانہ جیل میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر ٹینسن صاحب بہت توجہ دلی سے میرا علاج کرتے تھے لیکن بخار کو قندہ بھی افتادہ ہوا۔ گو سرسام کی نوبت نہ پہنچی تھی مگر میں بے آب و دانہ چند روز تک بے ہوش پڑا رہا۔ انگریزی دوائیں قندہ بھی مجھ پر اثر نہ کرتی تھیں۔ لاچار ہو کر ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں اس مرض کے واسطے کیا دوا کھاتے تھے۔ میں نے کہا ہندوستانی دوائیں کھاتا تھا۔ اور ایسے مرض میں میں نے انگریزی دوا کبھی نہیں کھائی تھائی اس سبب سے اُن کا کچھ اثر مجھ پر نہیں ہوتا تب اُنہوں نے فرمایا کہ اُن دوائیوں کا نام بھی تم کو معلوم ہے۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم ہے تب اُنہوں نے کہا اچھا وہ دوائیں ایک کاغذ پر ہم کو لکھ دو ہم بازار سے تمہارے واسطے منگوا دیں گے۔ تب میں نے مرہ سیب و مرہ بھی و شربت انار و شربت میلوفرو و صدق نقرہ وغیرہ وغیرہ حمد حمد مزے دار و غریح دوائیاں ایک کاغذ پر لکھ دیں اُنہوں نے اسی وقت وہ سب بازار سے منگوا کر میرے حوالہ کر دیں مگر بے بیماری کے زبان کا مزہ تو بگڑا ہوا تھا میں نے اُن کیلے بعد دیگرے کھانا شروع کیا۔ بخار تو قسم محرقہ سے تھا ان شربتوں کے استعمال سے دوسرے دن وضع ہو گیا اور مرہوں اور اوراقِ نقرہ سے بدن اور معدہ میں بھی طاقت اور قوت آگئی ڈاکٹر صاحب نے جب دوسرے دن مجھ کو تندرست پایا تو بہت خوش ہوئے اور قوت کے واسطے شور باگوشت اور دودھ میرے واسطے مقرر کر دیا۔ مجھ کو اس مقام پر اس

دولت دنیا اور چشم و جاہ کی ناپائیداری اور حالتِ سیمائی اور ہرجائی کا تصور  
 سادہ کرنے کا بھی موقع ملا ہے اور اس کی کیفیت مختصر اس طرح ہے کہ ۱۲  
 تاریخ کو سمیر کو اپنی خانہ تلاشی سے تھوڑی دیر پہلے تک میں ہزاروں روپے کی جائیداد  
 منقولہ وغیرہ منقولہ پر قابض تھا۔ بیسیوں آدمی میری رعیت رہتے تھے ایسے بڑے  
 شہر کا غیر دارگھوڑے اور گاڑیوں میں سوار ہوا پھر ماتھا ہر کام کے میرے گھر میں  
 نوکر چاکر تھے یا اس کے چند گھنٹہ پیچھے چیب بعد تلاشی میں فرار ہو گیا تو سب  
 جاہ چشم خاک میں مل گیا بوجہ میرے فرار یا زیادہ غصہ کے انگریزوں نے قبل از  
 مدد حکم اخیر مقدمہ کے میری کل جائیداد پہلے ہی دن قرق کر لی تھی۔ دوسرے  
 دن خود میرے عزیزوں کو کوئی اپنے برآمدہ میں بھی کھڑا نہ ہونے دیتا تھا ایک  
 ہی رات میں وہ سب مال دوسروں کا ہو گیا۔ میرے وارثوں کو اس قدر موقع  
 بھی نہ ملا کہ کوئی جائیداد قبل از قرق علیحدہ کر لیں اور بعد صدور حکم ضبطی کے جب  
 میرے بھائی نے جو اس کا وارث تھا اپنے حصہ کا دعویٰ کیا تو اس کو بھی خطا ایک  
 کوٹھرائی دے کر کل جائیداد منقولہ غیر منقولہ ضبط کر کے نیلام کر دی۔ میں نے  
 منظرِ دواغذشی اپنے حصہ کی کل جائیداد کو اپنی بیوی کے ہر میں مگنول کر کے ایک  
 بیغام شرعی اس حادثہ سے رست پہلے بروز نکاح اپنی بیوی کے نام  
 لکھ دیا تھا وہ بیغام بھی پیش ہوا مگر مارے غصے اور تعصب کے کسی نے بھی  
 نہ سنا اور میری بیوی کو مدد و نایاب شہ خوار بچوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال  
 دیا۔ بعد تبدیلی حکم بھائشی ہم ستمبر ۱۹۷۷ء سے زوری ۱۹۷۷ء تک جیلِ انبالہ  
 میں رہے۔ اگر شراذات محمد رفیع کے گھر سے بہت سا کھانا محمد احمد و محمد قسم کا



ہمارے واسطے آرا کرنا تھا اور ہم لوگ اس کو جیل میں نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر بڑے  
 حرص سے کھایا کرتے اور شکرا الہی بجا لاتے یہاں تک اپنی تعریف آپ لکھ  
 کر میرا نفس بہت پھول گیا ہے اور اکثر مقامات پر اپنی تعریف میں مبالغہ کرنا  
 چاہتا ہے لہذا اس کے دو عیب بھی یہاں تحریر کروں تاکہ اس موزی خود پسند  
 کو قدامت ہو اور پھر مجھ کو مبالغہ کرنے کی ترغیب نہ دے اور وہ یہ ہے کہ  
 ایک دن رات کو جب ہم ایک مغل بارک میں سو رہے تھے ایک سپاہی  
 محمد شفیع کے گھر سے پلاؤ لے کر آیا۔ ایک جھکے کی راہ سے وہ پلاؤ لینے کو میں  
 گیا۔ پلاؤ لینے وقت میرے اس نفس سے نہ رہا گیا ایک بڑی بوٹی پلاؤ کی اٹھا کر  
 منہ میں ڈال لی اور تھوڑا سا چاکر جھٹ پٹ اس کو نگل لینا چاہا وہ مال مسروقہ  
 حلق میں کیسے اترے حلق میں چاکر ڈل گئی نہ نیچے جاتی تھی نہ اوپر آتی تھی میرا دم  
 بند ہو گیا میں لڑکھڑا کر گر پڑا و نفس کا عیب ہمارے سب ساتھیوں پر ظاہر  
 ہو گیا۔ جب میرا نگلا ملا گیا تو وہ بوٹی بجنسہ باہر نکل آئی۔ میں نے اپنی جان پر بری  
 اور مال مشتبہ کے حلق سے نیچے نہ جانے پر شکرا الہی کیا گو محمد شفیع سے ہمارا  
 معاملہ فاعد تھا اور اس کی معذرت اجازت بھی ہر طرح سے ہم کو حاصل تھی مگر تو  
 بھی یہ حرکت مغلانہ اور نہایت نازیبا تھی۔ مگر حمد ہے اللہ کا کہ اس نے  
 نفس موزی کو بھی ذلت دلائی کہ اب تک اس کو یاد ہے اور مجھ کو اس مال  
 مشتبہ یا مسروقہ کے کھانے سے محفوظ رکھا۔ ایک اس سے بڑھ کر اپنے  
 نفس کی شرارت کا حال اور سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک دس روپے  
 کا نوٹ جیل انبار میں بند یہ ڈاک منشو عبد القدور خاں ہمارے ایک ساتھی

کے گھر سے بذریعہ میرے بھائی کے میرے پاس آیا تھا۔ اس وقت میرے بھائی کو جیل کے باہر کچھ روپیہ کی ضرورت تھی۔ میں نے منشی عبدالغفور سے اس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور باہر سے اپنے بھائی کو وہ نوٹ دلا دیا اور اس نے اپنے کام میں اس کو خرچ کر لیا۔ جب منشی عبدالغفور خاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے میری کچھ شکایت تو نہ کی کیونکہ وہ میرے گھر میں برسوں تک رہے تھے اور مجھ کو اپنا بزرگ جانتے تھے اور اسی بھروسے پر میرے نفس نے یہ جرات بھی کی تھی تاہم دوسرے لوگوں نے مجھ پر بہت طعن لیں کی تھی کہ دس روپیہ ان کو پھر دے دوں لیکن بعد پہنچنے پورٹ بلیر کے جب میرے ہاتھ میں روپیہ آیا تو میں نے وہ دس روپے بذریعہ نوٹ ان کو جیل لاہور میں بھیج دیئے۔ اعداب بعد اظہار ان ہر دو عیب اپنے نفس کے میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو معاف فرماوے اور میدانِ محشر میں نیکوں کے سامنے مجھے ذلیل نہ کرے۔

## باب (۱۱)

مولوی احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس زمانہ میں ہمارا اپیل چیف کورٹ پنجاب میں دائر تھا اس وقت ہمارے وکیل پلوٹن صاحب نے ہم کو یہ خبر دی تھی کہ انگریزوں کا یہ ارادہ ہے کہ اگر عندالاپیل ہم لوگ چیف کورٹ پنجاب سے رہا ہو جاویں تو خیر

ہے ورنہ بعد نامتوری ہمارے اپیل کے یہ لوگ مولوی احمد امجد صاحب کو بھی  
 قید کریں گے۔ چنانچہ بعد نامتوری اپیل کے مولوی احمد امجد صاحب کے  
 اوپر منجملہ ہم گیارہ نفیس منرا یافتہ کے جھوٹے گواہ سکھلا ڈھا کر بنانے شروع  
 ہوئے۔ میر مجیب الدین تحصیلدار ساکن نارنوال جو کسی قصور و رشوت ستانی  
 میں جیل انبارہ میں قید تھا اور بظاہر ہم لوگوں سے بڑے اخلاق سے پیش  
 آتا تھا اس کو انگریزوں نے وعدہ دیا کہ اگر تم یہاں سکھلا کر ان میں سے کسی  
 آدمی کو مولوی احمد امجد صاحب کے اوپر گواہ بنا دو تو تم کو رہا کر کے تحصیلدار  
 کر دیں گے۔ چنانچہ اپنی دیوبی بھلائی کی امید پر اس شخص نے اپنی کارروائی شروع  
 کی۔ مگر جب ہمارے کان میں اس کے بھکانے اور گواہ بنانے کی خبر پہنچ جاتی  
 تھی تو ہم اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر کہ بھائیو ہماری دنیا تو خراب ہو گئی ہے اب  
 فقط دین باقی رہ گیا ہے جھوٹے گواہ بن کر اس کو نہ بگاڑو۔ کہیں تمہاری وہ  
 مثل نہ ہو جاوے مرنے والوں طرف سے گئے پانڈے اور حلوئے اور ہر  
 مانڈے جس قدر وہان بھر وہ گواہ بنانے کی ترغیب دیتا تھا اس کا اثر ہماری  
 تھوڑی دیر کی نصیحت سے پھر رفع ہو جاتا تھا۔ اس خبر نے صاحب لوگوں  
 سے کہا کہ جب تک محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب اس جیل میں ہیں تب  
 تک کوئی گناہ نہیں بن سکتا۔ اس واسطے کہ ۱۲ فروری ۱۹۵۷ء کو محمد گواہ مولوی  
 صاحب اور میاں عبد الغفار کو سنٹرل جیل لاہور کو روانہ کر دیا اور محمد شفیع و عبد  
 الکریم والہی بخش و ناشی عبد الغفور وغیرہ کو جیل انبارہ میں رکھ لیا پس ہمارا اس  
 جیل سے روانہ ہونا تھا کہ محمد شفیع و عبد الکریم وغیرہ گواہ سرکاری ہو گئے اور

اُن کی شہادت پر اولیاء وقت شمس الاسلام مولوی احمد اللہ صاحب بہاء منی  
 سلسلہ وائیم انجمن بعبودہ دیائے شہرہ ضابطی جائیداد کے مندرجہ ذیل ہو کر ہم سے  
 پہلے جو ان کے ہینے میں داخل اندمان ہو گئے۔ بلحاظہ مثل مقدمہ اور  
 دلائل ثبوت جو ہم نسبت محمد شفیع مانع ہو گا کہ اول محمد شفیع کو کس غلط اور  
 غصہ سے پچانسی کا حکم دے کر اس کی پچاس لاکھ کی جائیداد ضبط کی تھی اور پھر  
 صرف ایک برس بعد گواہی کا حیلہ کر کے اس کو رہا کر دیا تاکہ جائیداد ضبط واپس  
 نہ دینی پڑے اگر وہ بے چارہ جیسے اس کی ایک برس بعد کی رہائی سے ظاہر  
 ہے بے قصور تھا تو پہلے اس شد و مد سے اس کی پچاس لاکھ کی جائیداد ضبط کر کے  
 اس کو پچانسی کا حکم کیوں دیا تھا اور اگر دماصل وہ بھاری قصور وار تھا اور صاحب  
 مشق حج کی سب دلائل مندرجہ فیصلہ صحیح ہیں تو اس کو ایک ہی بعد کس واسطے  
 رہائی کر دی اس کے بعد سلسلہ تک جو مقدمات گرفتاری و ابیان مثل  
 مقدمہ امیر خاں صاحب سوداگر جرم و مولوی تبارک علی صاحب و مولوی امیر  
 الدین صاحب ساکن پٹنہ ملک بنگال و امیر اہم منڈل ساکن اسلام پور موتے  
 رہے تو یہی مولوی گواہ یا گوندہ جھوٹی گواہی دینے کو بلائے جاتے تھے اور میں  
 نے خود ان میں سے ایک گواہ کی زبانی سنا ہے کہ جب کبھی خلاف گواہی  
 دینے سے ہم نے انکار بھی کیا تو ہم کو یہ کہا گیا کہ تم لوگ شرطیہ طور پر فقط اسی  
 گواہی دینے کے واسطے بطور گوندہ رہا کیے گئے ہو۔ اگر تم گواہی نہ دو گے تو  
 پھر تم کو وائیم انجمن کے پہلے عازنٹ پر کاسے پانی کو بھیج دیا جائے گا جب  
 میں اتنا جیل سے لا ہو جانے کو تیار ہوا تو میری بیوی بچے بھی میری ملاقات

جیل پر آئے تھے جس دن میری ملاقات ان لوگوں سے ہوئی ماہ رمضان تھا اور میں رونے سے تھا جیل کے باہر ایک کوٹھڑی میں بہت دیر تک میری اُن کی بات چیت رہی۔ میل گیر ولباس اور کیبل لاکر تہ ادا پاؤں میں بیڑی لکھ کر میرے اقربا بہت تعجب اور غمگین ہوئے مگر میں نے اُن کی بہت تسلی کی اور ایمان اور صبر کا مضمون اُن کو سمجھایا۔ اسی دن کوئی سو برس کے بعد میں نے اپنے بیٹے محمد صادق کو بھی دیکھا تھا وہ ایسا بڑھ گیا تھا کہ میں نے مشہل سے اُس کو پہچانا تھا۔ یہ گویا اس سے میری آخری ملاقات تھی پھر دوبارہ میں نے اُس کو اس دنیا میں نہیں دیکھا۔

## باب (۱۲)

### سفر لاہور

۲۲، فروری ۱۹۶۵ء کو ہم جیل لاہور کو روانہ ہوئے۔ جو گیا نہ گیر لباس کا لاکھیل اوڑھے ہوئے۔ بیڑی ہتھ کڑی کے زیور سے آراستہ براستہ ہم ہم منزل در منزل اور کوچ در کوچ لاہور کو چلے جاتے تھے دو ایک گاڑیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں بعد تیس چالیس قیدیوں کے ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوئے تھے۔ سب پا پایا وہ چلنے لگے جب کوئی تعک جاتا تو اس کو گاڑی پر بھی سوار کر لیتے تھے وہ سب کے سب پا پایا وہ تھک چھٹاتے چلے جاتے تھے۔ خیر سو برس کے بعد جو ہم نے باہر کی ہوا کھائی تو طبیعت نہایت

خوش اور راستے میں جو چلتے سوخا کر کھاتے۔ اور مولوی کچلی علی صاحب کی ہر دم مصاحبت میں رہے۔ اس سبب سے ہم کو تو اس منزل میں بھی وہی عید اور رات شب برات ہو گئی تھی۔ اتفاقِ حسنہ سے جس دن ہم نیا گیر جالپاس پہنچ کر اول منزل سے روانہ ہوئے۔ تو چار اچھے ہندو سنگھ صاحب والی پٹیلہ کی برات بڑی دھوم دھام سے اسی راہ سے عین ہمارے آگے کو جنوب سے شمال کو جاتی تھی۔ اس وقت سورج نکلتا تھا۔ فجر کا ٹھہانا وقت اور اخیرِ فوری کے گلابی جاڑے تھے۔ ایک طرف سورج کی کرنوں میں برات کے سونا چاندی اور تاس باور اور بیرو مرصع کی چمک دوسری طرف ہماری بیڑی ہتھکڑی کے لوسے کی دمک، ادھر دو شالوں اور کنو اب و باتات کا رنگ ادھر ہمارے جو گیانہ لباس اور کپیلوں کی سرخی اور سیما ہی کا ڈھنگ، ادھر ہاتھی گھوڑوں کی ہنکار ادھر ہماری بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی چھنکار ایک دوسرے کے مقابل اس دنیا کے فانی کی دھڑکی اور کمی بیشی مدارج کا فرق عجیب خوبی سے دکھلا رہی تھی، مگر افسوس کہ یہ راجہ قابا جس نے ہم کو اس وقت بڑی چشمِ حقارت سے دیکھا ہو گا یہی اسی ہندو سے بہت برس پہلے اسی ٹک تھا ہوا جہاں امیرِ فقیر دونوں خالی ہاتھ جیسے آئے تھے ویسے ہی حاضر ہوتے ہیں۔ اور ہم نے اس عروسِ دنیا سے جس کے واسطے اس قدر دھوم دھام تھی بہت ہی تھوڑا فائدہ اٹھایا ہم جو ایک مدتِ وراثت کے بعد جیل کی تنگ تار یک کو ٹھریوں سے باہر میدان میں پہنچے تو ہم کو بھی ہمارا راجہ پٹیلہ کے براتیوں کی خوشی سے کم خوشی

نہ تھی۔ ہم ہر نوں کی طرح اڑے جاتے تھے جن جن قیدیوں کے پاس کچھ  
 نقد تھا ان کا جو کچھ بھی چاہتا تھا ماہ میں خرید کر کھاتے اور خوشی مناتے  
 چلے جاتے تھے۔ لڑھکیا نہ بھلور۔ جالندھر امرت سر ہوتے ہوتے لاہور  
 پہنچے۔ اخیر منزل پر لاہور میں شالامار باغ کے سامنے ہر کسی نے اپنا اپنا  
 من بھر کر جو چاہا سو کھایا۔ کیونکہ جیل میں جا کر تو سوائے معمولی کھانے کے  
 اور چیزیں ملنی محال بلکہ جرم ہیں۔ قریب تین بجے شام کے ہم لوگ منٹل  
 جیل لاہور کے دروازہ پر پہنچے اور ہمارے چالان کے کل قیدی ایک قطار  
 کر کے دروازہ جیل پر بٹھا دیے گئے۔ اول ایک کشمیری ہندو واروہ  
 آیا اس نے پہلے ہمارے مقدمہ والوں کو بعد تمام دیکھا اور کسی قدر افسوس  
 بھی کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر گرے صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل رونق افروز  
 ہوئے۔ انہوں نے سب سے اول ہم لوگوں کا ملاحظہ کیا اور بڑے  
 غصہ سے حکم دیا کہ ایک ایک آٹا ڈنڈا بھی ان لوگوں کے پاؤں میں  
 ڈال دو۔ چنانچہ بھر دھند واس حکم کے لوہار ڈنڈے آہنی سے کڑا حشر  
 ہو گئے اور ہمارے دونوں پاؤں کے دونوں کڑوں کے درمیان سے  
 ایک ایک آٹا ڈنڈا جو ایک فٹ (دگرہ) سے زیادہ لمبا نہ تھا ڈال دیا  
 گیا۔ یہ حکم ازراہ تعصب فقط ہم ہی لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل بھر  
 میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا۔ چلنا پھرنا  
 اٹھنا کھینچنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال  
 تھا۔

## باب (۱۳)

### سنزل حبیل لاہور

اس حبیل کے بیچ میں ایک بڑج اور اس کے چوگرد آٹھ علیحدہ علیحدہ بارکیں موصیٰ اور کارخانہ مشقت کے بنے ہوئے تھے۔ صاحب پسر ٹنڈا نے حکم دیا کہ اس مقدمہ کے جتنے قیدی ہیں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بارکوں یا فیروں میں رکھو تاکہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پاتے۔ اس دن ہم کو اپنے دوستوں سے جدا ہونا اس آہنی ڈنڈے سے بھی بڑھ کر شاق ہوا۔ مجھ کو نمبر اول میں جو سب سے زیادہ سخت تھا اے گئے لیکن قریب ۶ بجے شام کے تاؤ غیبی سے یہ حکم پہنچا کہ یہ قیدی آمدہ حبیل ایبارہ میں بیماری والے حبیل سے آئے ہیں ان کو دوسرے سب قیدیوں سے علیحدہ رکھنا چاہیے تاکہ ان کی بیماری اس حبیل میں بھی نہ پھیل جاوے سو وہی پہلا نمبر جہاں میں بند تھا ان کے علیحدہ رکھنے کے واسطے تجویز ہو کر ہمارے کل ساتھی بلکہ سارا چالان اسی بارک میں جمع ہو گیا۔ تب ہم آپس میں مل کر بہت خوش ہوئے اور اس حکمت الہی اور اسرارِ مکنون پر سجدہ شکوہ کمالائے بوجہ ہونے ایک سلمان جمعدار اس نمبر کے ہم کو کچھ مشقت بھی نہ کرنی پڑی بلکہ بفضلِ الہی ایک مہینے کے بعد اس پسر ٹنڈا نے خود مجھ کو اسی نمبر لٹنشی کر دیا۔ مگر وہ ڈنڈا جو غالباً کسی بٹے حاکم کے حکم سے تھا یہ دستور



زیب پارٹا جس کے سبب سے جب ہر فجر کو صاحب سہزنڈنٹ وہاں تشریف لاتے تو مجھ کو ہر قیدی کی مشقت کا حساب دکھانے کے واسطے مثل ہرن کے اُچھل اُچھل کر ان کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔ ایک انوار کے دل اسی جیل لاہور میں اپنے بستر پر میں پریش میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہان صاحب سہزنڈنٹ ہمارے کمرے میں پہنچے اور کل قیدیوں کو غبر کی تلاشی کرنے کا حکم جاری کیا۔ یکے بعد دیگرے میرے بستر کی بھی تلاشی ہوئی جس میں کچھ تھوڑا سا ہوا نمک میرے بستر سے بھی برآمد ہو گیا۔ ایسے تصور پر وہاں بیت کی مزا ہوتی ہے۔ جب یہ نمک برآمد سہزنڈنٹ کے سامنے پیش ہوا تو میں حیران تھا کہ کیا جواب دل اس میں مندل نام لیک مسلمان قیدی جو جیل انوار سے میرے ساتھ آیا تھا اور میری خدمت کرتا تھا بول اُٹھا کہ یہ بستر اندک تو میرا ہے مولوی صاحب کا نہیں ہے۔ تب صاحب سہزنڈنٹ نے پوچھا یہ کیسے تو اس نے کہا کہ حضور کے تشریف لانے سے پہلے میں اور یہ مولوی صاحب دونوں پیشاب کرنے کو پاخانہ میں گئے تھے اس بیچ میں حضور آ گئے ہم جلدی سے جو دوڑ کر گئے اس گھبراہٹ میں یہ میرے بستر پر اور میں ان کے بستر پر بیٹھ گئے۔ صاحب سہزنڈنٹ اس بیان کو سن کر بہت ہنسنا اور بولا کہ تم مولوی کو سچا نا چاہتے ہو۔ اس کے بعد ہم دونوں کو کمرے سے باہر جہاں بیت لگا کرتے تھے لے گیا۔ دوسرے قیدیوں کو جہاں کے بستروں سے کچھ کچھ نکالا تھا بیت لگنے شروع ہوئے جب دوسرے قیدیوں کو بیت لگ چکے تو آخر میں پھر اس نے ہماری طرف

منوجہ ہو کر مندل مذکور سے پوچھا کہ یہ بات سچ ہے کہ یہ بسترہ اور نمک  
 تھاہا رہے۔ اور مولوی کا نہیں ہے۔ اُس نے کہا ناں نمک اور بسترہ تو  
 میرا ہے آگے آپ کو ختیاہ ہے۔ یہ جواب سُن کر اُس نے ہم دونوں کو  
 بری کر دیا۔ اور کچھ سزا نہ دی اور مندل سے کہا کہ اچھا تم مولوی کو بچانا  
 چاہتا ہے ہم نے تم کو بھی معاف کر دیا جاؤ آگے ہوشیار رہو۔

## باب (۱۴) رعائلی کراچی

اخیر اکتوبر ۱۸۹۶ء میں ایک بڑا بھاری چالان قیدیوں کا تیار  
 ہو کر ملتان کو روانہ کرنے کا بندوبست ہوا۔ ایک ایک ہتھکڑی دو دو آویں  
 کئے ہاتھوں میں لٹائی گئی۔ میرے ساتھی نے مجھ سے یہ رعایت کی کہ میرا بایاں  
 اور اپنا واہتا ہاتھ ہتھکڑی میں ڈلوا یا۔ ہمارے مقدمہ کے نقطہ میں آدمی  
 یعنی میں اور مولوی کچلی علی صاحب اور میاں عبد الغفار صاحب ملتان کو روانہ  
 ہوئے۔ جس دن ہم لاہور سے روانہ ہوئے ریل کے سٹیشن تک پاؤں  
 میں بیڑی سر پر بسترہ جس کو ایک ہاتھ سے تھامے ہوئے اور دوسرے  
 ہاتھ میں ہتھکڑی کی گھوٹ اس پر سپاہیوں کی مار مار کہ جلدی چلو جلدی چلو  
 ریل چلی جاوے گی۔ خیر بہر صورت ہم ریل تک پہنچے وہاں جا کر ریل کی  
 کوٹھڑیوں میں ہم کو بند کر کے قفل لٹا دیا اور لاہور سے ملتان تک راہیں کہیں

نہ کھولا مثل جانوروں یا مال کے گاڑیوں میں بھر دیا تھا۔ کوئی آٹھ بچے مات کے بعد ہم مقام پہنچے وہاں بھی اندھیری رات میں سر پر بستر رکھے ہوئے کٹاں کٹاں اشیائیں سے جیل تک پہنچے جہاں بے آب و فائز مثل جانوروں کے مات کو بند کر دیے گئے۔ دو دو لی ہم جیل ملانی میں رہے شہر کو صرستہا ہے، بازار کہاں ہے۔ وہ ہم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ دو روز بعد وہاں سے بھاگ کر ایک تین یا گھاٹ دیرائے سندھ پر جڑ ملانی سے قریب پانچ کو س ہے ہم کو انجنوٹ پر سوار کرایا۔ سوار کرانے کے بعد ہم سب کو قطار قطار کر کے اس پر بٹھلا دیا۔ اور سوائے بیڑی اور تھکڑی اور ڈنڈے کے جو پہلے سے زیب تن تھے یہاں ایک بڑی موٹی زنجیر لٹنی بھی ہماری بیڑیوں کے بیچ میں پھنسائی گئی کہ جس سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے پافانہ پشاب کرتے رہے اس وقت قریب آدھا آدھا من کے لوٹا ہمارے جسم پر تھا باوجود اس قدر کثرت پانی کے دیرائے سندھ ہمارے زیر پا تھا۔ ہم بڑے بڑے تیمم سے نماز پڑھتے تھے کہ ہم جکڑے ہوئے پڑے تھے۔

تو جیل سے نکل کر اندر دوستوں کی مصاحبت اور آب دیا کی دھانی اور اس پاس کے جنگلوں کی سبزی کو دیکھ کر بہت ایشاش تھے۔ اس کیفیت سے ہم پانچ چھ روز بعد کوٹلی میں پہنچ گئے۔ سکھ بکھرا اور ٹھٹھے کا نامی عمر بھی ہم کو ناہ میں سندھ کے کنارے پر ملا تھا۔ کوٹلی کے سامنے دوسرے کنارہ دیرائے سندھ پر حیدر آباد سندھ کی نامی بستی بھی دیکھنے میں آئی۔ کوٹلی سے اسی وی ریل پر سوار ہو کر ہم کراچی میں پہنچ گئے۔ اس ملک میں

بڑی بڑی اونچی ٹوپیاں منشی اور کلارک اےڈی بڑی بڑی بگڑیاں ہندو مہاجن  
 پہنتے ہیں جب ہم جیل اترنا سے روانہ ہوتے تو ہمارا خیال تھا کہ انگریزی  
 عملداری میں سب جگہ اردو یا فارسی کا دفتر ہوگا اور ہم بوجہ کمال اپنی منشی  
 گری کے ہر جگہ محوری کے کام میں رہ کر قید میں آرام سے رہیں گے۔ اس  
 خیال یا طے کے ساتھ فضل الہی کا ہم کو وہم بھی دل میں نہ گذرنا تھا۔ مگر غلط  
 ہمارے خیال کے اردو اور فارسی کا دفتر قلعان میں ختم ہو گیا تھا۔ ملک سندھ  
 میں سب سندھی زبان کا دفتر دیکھا گیا۔ سندھی علم کے حدود تو فارسی  
 کے ہیں مگر زبان سندھی ہونے کے سبب ہم کو ایک لفظ بھی سمجھنا  
 دشوار ہے۔ ملک سندھ ہم ناخواندوں میں شمار ہونے لگے اور وہ  
 غرض منشی گری اور پھر دوسرے غیر اللہ خود بخود دل سے دور ہو گیا۔ الحمد للہ کہ  
 کراچی کے جیل میں پہنچنے کے ساتھ ہی ہماری ہتھکڑی ادا آٹے و ٹیڈے  
 سے تو نجات ہوئی فقط بیڑی آہنی زیب تن رہی، بقابلہ سب دوسرے  
 جیل خانوں کے جہاں جہاں یہ خاکسار رہا کراچی کے جیل کو جیل کیا ایک حمد  
 بہانہ سرا کہنا چاہیے، وہاں رات کو قیدیوں کو بارک یا کوٹھڑیوں میں  
 شل جانوروں کے بند نہیں کرتے جنگلوں کی طرح سے کھلے ہوتے مکان  
 اور چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا قیدیوں کے واسطے موجود ہے۔ رات کو  
 جہاں چاہو پھرو جہاں چاہو سوؤ کوئی مانع نہیں۔ پہرے والے فقط  
 جیل کی فیصل پر پھرتے ہیں۔ رات کو جیل کے اندر محاط یا پہرہ دار کا  
 نام نہیں۔ دو برس کے بعد یہاں رات کو آسمان اور ستاروں کی نیابت

بھی ہم کو نصیب ہوئی۔ جناب باری میں سجدات شکوہ کجا لائے۔ یہاں قیدیوں کا کھانا بھی برنسبت اور جیل خانوں کے نہایت عمدہ تھا۔ گینگھوں کی روٹیاں گھی سے چڑی ہوئی اور عمدہ ترکاری اور گوشت غرض دو وقتہ پیٹ بھر کھانا یہاں قیدیوں کو ملتا ہے۔ مگر پانخانہ پھرنے کی بڑی وقت تھی۔ کیونکہ چوبی پیوں کو میدان میں رکھوا دیا ہے جس کے اوپر بدشامی پڑھ کر برہنہ سب کے سامنے قیدی پانخانہ پھرتے ہیں۔

## باب (۱۵)

بمبئی

ایک ہفتہ کراچی میں ٹھہر کر ایک بادبانی جہاز جس کو بگلہ کہتے ہیں ہم سوار ہوئے۔ سب سے پہلے سمندر اور جازوں کی زیارت ہم نے کراچی میں کی۔ یہ جہاز بہت چھوٹا تھا۔ مگر قیدیوں کو مثل بورہ مال کے نیچے کی تہ میں اوپر نیچے کر کے بھردیا تھا۔ قیدی گچ مچ ایک دوسرے کے اوپر نیچے پڑے تھے اور یہ بیت پڑھتے تھے۔

جائے تنگ ست مرد مال بسیار

وقار تبنا عذاب النار

جب ٹکڑا اٹھا کر تھوڑی دور سمندر میں جہاز پہنچا تو دریائے غلام اور امواج سے جہاز ہلنے لگا اور قیدیوں کو تھکی متلی شدہ مع ہوئی تیشگی

جگہ کے سبب سے ایک دوسرے پر تھے گرتا جاتا تھا۔ اس جہاز پر کچھ مسلمان خلاصی تھے جنہوں نے ہم کو مولوی سمجھ کر حتی المقدور خود کھانے پینے سے بہت تواضع کی۔ تین دو تین روز کے بعد ہمیشگی تمام ہم داخل بندر بمبئی کے ہوئے۔ وہاں دیکھا تو کوسوں تک ہزاروں جہاز کھڑے تھے اس کو ایک جہازوں کا جنگل کہنا چاہیے۔ زیر قلعہ بمبئی کے ڈونگیوں میں بٹھلا کر ہم کو جہاز سے اتارا وہاں سے بذریعہ سواری ریل جیل خانہ تھا نہ کو جو بمبئی سے دس بارہ میل ہے ہم کو لے گئے۔ بمبئی میں پارسی مروجہ کو ہم نے پھرتے ہوئے دیکھا۔ اس قوم کے لوگ بہت خوبصورت گورہ رنگ کے ہوتے ہیں اہل مالدار بھی ہیں۔ یہ لوگ آتش پرست زردشت کی امت سے ہیں۔ خلیفہ دوم کی چڑھائی کے وقت ایران سے بھاگ کر اس حصہ ہندوستان میں آباؤ ہو گئے۔ بمبئی کی عمارات جہاں تک ہم کو دیکھنے کا موقع ملا نہایت اونچی اور دیواروں میں بے شمار کھڑکیاں تھیں ہوتی تھیں، بمبئی شہر بھی ایک ٹاپو ہے ایک بند بانڈھ کو اس کو برہمن غنیم ہند سے ملا دیا ہے۔ بمبئی اور تھانہ کے بیچ میں بھی سمندر بہتا ہے اور اس کے پانی کو کھیت اور گیاروں میں روک دیتے ہیں وادی کی تپش سے وہ کھار پانی خشک ہو کر عمدہ نمک خود بخود تیار ہو جاتا ہے۔ ہزاروں مہنی نمک کے اتار ریلوے سڑک کے کنارے کنارے لگے ہوئے تھے۔ تاریل کے درخت اور اس کا تانہ پھل بھی ہم نے پہلے پہل بمبئی میں دیکھا۔ یہاں کی عورتیں اپنی ساڑھی کو مثل مردوں کے

و صوفی کے طود پر پیچھے کی طرف ٹانگ لیتی ہیں۔ گھٹنے کے اوپر تک اور آدمی پنڈلیاں کھلی رہتی ہیں۔ یہاں کے ہندوؤں کی پگڑیاں بھی بڑی بڑی لمبی سر پر ٹوکرا سا رکھا رہتا ہے۔ اس ملک کی زبان گجراتی یا مرہٹی ہوتی ہے جب ہم ریل سے اتر کر تھانہ کے بازار میں جیل کی طرف پا پیادہ چلے جاتے تھے تو ہمارے ساتھی قیدیوں نے چند مٹھائی والوں کی دکانوں کو روٹے لیا اور بے محابا اُس مال مغزوہ کو کھانے لگے۔ بے چارے دکاندار ان کو قیدی سمجھ کر چپ ہو رہے بلکہ ہم نے دیکھا کہ بعض دکاندار اپنی مٹھائی لٹاکر بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کے منہ میں پڑنے کو بڑا اچھا سمجھتے

## باب (۱۶)

### تھانہ جیل

چلتے چلتے قریب شام کے ہم تھانہ جیل کے دروازہ پر پہنچے جیل کیا ایک مرہٹوں کے وقت کا بڑا ٹھکانا اور مضبوط قلعہ ہے جس کے چاروں طرف ایک بڑی گہری پختہ خندق بنی ہے۔ جیل کے اندر داخل ہونے کے ساتھ ہی ہمارے ملاشی شروع ہوئی اور ہم سب کی جوتیاں اتر والی گئیں۔ اور پھر چلتے وقت وہیں نہ ملیں یہاں ہے کہ ایک دفعہ کسی دل بے قیدی نے قادیانہ جیل کو جوتیوں سے مارا تھا اس وقت سے یہ قانون یہاں ہو گیا کہ قیدی جیل میں جوتہ نہ پہنتے اور ننگے پاؤں

پھر اکیس تاکہ دوبارہ ایسی نامعقول حرکت نہ کرے۔ رات کو دو دو چوڑا  
 کی روٹیاں اور تھوہر کی دال دے کر علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں ہم کو بند  
 کر دیا۔ مگر بتائید الہی دوسرے دن سے پنجابی قیدیوں کو گندم خود ملک کے  
 آدمی سمجھ کر گیہوں کی روٹیاں ملنے لگیں۔ اور ہمارے بند سے یہ خصوصیت  
 کل چالان آمدہ پنجاب کے واسطے ہمیشہ کے لیے مقرر ہو گئی۔ فجر کو ہمارے  
 سب چالان کو چھ توڑنے کی مشقت دی گئی۔ جس کو بمشکل تمام ایک دو  
 دن کیا۔ دو روز بعد ہمارے پہنچنے سے وہاں درمی باقی کا کام شروع ہو گیا۔  
 اور ہمارے چالان کے پنجابی قیدی اس کے ہمت مقرر ہوئے۔ اگلے دنوں  
 نے مجھ کو اور مولوی کبھی علی صاحب کو درمی بافوں کا استعارہ بیان کر کے  
 اپنے ساتھ لے لیں جہاں ہمارا ایک ہیڈ بڑے آرام کے ساتھ ملے ہوا۔  
 اس جیل اور ملاسیم میں مٹی زبان کا دفتر ہے۔ فارسی اور اردو جہاں یہاں  
 بھی ناخاندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اب کراچی اور تھانہ کے دفتر مل کا یہ  
 حال دیکھ کر سم کو تو یقین ہو گیا تھا کہ اب ہم باقی عمر ناخاندوں میں بسر  
 ہوں گے اور مسلم پکڑنے کی نوبت شاید ابھی آئے۔ وہ امید جو ہم کو فن  
 منشی گری سے تھی قطع ہو گئی اب فقط فضل الہی کی امید باقی رہ گئی۔ اس  
 جیل کا بڑا جیلریا داروڈ تو ایک برہمن بڑا مددگار آدمی تھا۔ گوارہ ہم نام  
 ایک مسلمان نائب داروڈ تھے۔ المقدرہ خود ہماری بہت خاطر داری کرتا  
 تھا۔ اب ایک جہینہ رہنے کے بعد یہاں سے بھی ہمارے چلنے کی تیاری  
 ہوئی۔ اس مسلمان نائب داروڈ نے چلتے وقت ہماری بھاری بیڑیاں



نکلو کر برائے نام ہلکی ہلکی بیڑیاں ڈلا دی تھیں۔ ہند کے جیل خانوں میں  
 دیسیوں کو خصوصاً اشرافیوں کو بڑی شکل ہے۔ نہ کھانے پکڑے کا بندوبست  
 ہے نہ پانخانے کا۔ رات کو ہر موسم میں بارکوں میں مثل جانوروں کے بند  
 کر دیتے ہیں۔ بد معاشوں کو البتہ آرام ہے۔ ہمارے دیسیوں کے مدارج  
 کا کچھ لحاظ نہیں۔ کالے کالے سب ایک سمجھ کر راجہ۔ نواب۔ جہتر۔ چار  
 سب کو ایک ہی لاشی سے مانتے ہیں۔ مگر کوٹ پٹنوں والوں کی ہاں بھی  
 عزت کی رو پر ہیں و دونھے دونوں مثل صاحب لوگوں کے وہاں بھی چین  
 کرتے ہیں۔

## باب (۱۷) کالا پانی کو روانگی

واقعہ ۸ ستمبر ۱۸۶۵ء بسواری جہاز جنہا ہم بمبئی سے کالے پانی  
 کو روانہ ہوئے۔ یہ جہاز ولایت انگلینڈ کا تھا۔ اس کے کل خلاصی اور ہنر  
 گدے تھے۔ ہندوستانی بات کوئی نہ جانتا تھا۔ موتی لال بابو ایک  
 انگریزی دان قیدی اس جہاز پر ہمارے ساتھ تھا۔ اس کی معرفت سے  
 جہاز والوں سے ہم کچھ بات چیت کیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس وقت ایک  
 انگریزی بات بھی معلوم نہ تھی جہاز پر وال بوات اور سوکھی مچھلی مسلمانوں کی  
 عورک تھی اور ہندوؤں کو چیتا دیا تھا۔ ہمارے ساتھی پنجابیوں کو جو روٹی

کھانے کے نامی تھے۔ ہینڈ بھر دو وقتہ چاول کھانے سے بڑی تکلیف  
 ہوئی جب جہاز سمندر میں پہنچا تو طوفان اور تلاطم سے ہلتا تھا اکثر آدمی  
 تے محلی سے بیمار ہو گئے۔ ایک پنجابی قیدی بھادی ہفت سالہ جس کے  
 صرف پانچ برس اس وقت باقی رہ گئے تھے بیمار ہو کر جہاز پر مر گیا ہم لوگوں  
 نے موافق قواعد بشریت کے اس کے غسل اور کفن دے کر اور نمازِ جنّت  
 پڑھ کر اس کی لاش کے ساتھ بہت سے پتھر باندھ کر سمندر میں چھوڑ دیا۔  
 ہمارے محافظ مرین پلٹن کے سپاہی جو بمبئی سے ہمارے ساتھ آئے تھے  
 ہم لوگوں پر بہت مہربانی کیا کرتے تھے۔ جب سیلون یا نکا کے برابر ہمارا  
 جہاز پہنچا تو سمندر میں تلاطم معلوم ہوا۔ وہ ہزاروں من کا جہاز مثل گنبد کے  
 پانی پر اچھلتا تھا کبھی سمندر کا پانی پہاڑ کی طرح ایک طرف سے آتا اور  
 کبھی جہاز نیزوں نیچے پانی میں چلا جاتا۔ ۲۴ روز کے سفر دریائی کے بعد  
 ۱۸ جنوری ۱۹۶۱ء کو ہمارا جہاز قبل از دوپہر پورٹ طیرانڈمان میں پہنچا۔  
 انبار سے چل کر گیارہ بجینے کے بعد داخل انڈمان ہوئے۔

## باب (۱۸)

### انڈمان

دو روزے سمندر کے کنارے کے کالے کالے پتھر ایسے معلوم ہوتے  
 تھے کہ گویا بھینسوں کے جھنڈ کے جھنڈ پانی میں پھر رہے ہیں۔ لنگر ڈالنے

تھوڑی دیر بعد محاذ بند پورٹ بلیر ایک کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آئے۔ اس کے ایک ہندوستانی ملحق سے میں نے پوچھا کہ یہاں کچھ منشی محوروں کی بھی قدر ہے اور دفتر کس زبان میں ہے۔ وہ شخص قرینہ سے مجھ کو منشی معلوم کر کے میری تسلی کے واسطے مبالغہ کر کے بولا کہ یہاں کے حاکم احمد مالک قرضشی ہی ہیں۔ وہ جو چاہیں سو کریں خیر اس نا اُمید پر جو کچھ بھی اور تعانہ میں ہوئی تھی یہ ضرور سنی کر کسی قدر تسلی ہوئی۔ پھر بڑے بڑے پورٹ اور کشتیاں کنارے سے آئیں اور ہم کو سوار کر کے روس نام ٹاپا اور صدر مقام انڈمان میں لے گئے۔ جب ہم کنارے کے ترو باب پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ بیسیوں منشی اور مولوی سفید اور داغدار لباس پہنے ہوئے ہمارے منتظر کھڑے ہیں۔ ابھی ہم کشتی میں سوار تھے کہ ایک دی نے کنارہ پر سے آواز بلند پوچھا کہ محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب بھی اس جہاز میں تھے ہیں؟ میں نے جواب دیا ہاں وہ دونوں آئے ہیں۔ میرا جواب سنی کر وہ لوگ پانی میں کود پڑے اور ہم لوگوں کو ماتحتوں ماتحت کشتی سے نیچے اتار لیا۔ نیچے اتر کر ہم کو یہاں معلوم ہوا کہ مولوی احمد علی صاحب ہم سے ایک برس بعد پٹنہ میں قید ہو کر ارجنٹینا لے گئے تھے۔ ہم سے چھ مہینے پہلے پورٹ بایر میں بھی گئے اور ایک دو برس پہلے جہاز کے قیدیوں سے جو ہم سے اول ہی جیل تعانہ سے چل کر فقط وہ روز پہلے ہم سے پہنچے تھے۔ ہماری آمد کا حال معلوم کر کے مولوی صاحب ہمارے منتظر تھے۔ اور یہ سب لوگ انہیں کے شمار سے تھے۔ انہیں کو گھاٹ پر آئے تھے خیر ہم لوگ پورٹ سے اتر کر اسی مجمع کے ساتھ رہے اور وہ موافق کرتے ہوئے اپنے جلال کے قیدیوں سے جیسا ہو کر منشی زادہ ہی صاحب

محرم ربیع الثانی ٹینٹ کے مکان پر پہنچے وہاں مولوی احمد اللہ صاحب اور دوسرے اکثر معزز لوگوں سے ہماری ملاقات ہوئی اور اسی مکان میں ہم تینوں آدمی رہنے لگے۔ اسی دم ہماری بیڑی کٹوا دی اور عمدہ لباس جو ہمارے واسطے تیار کر کے رکھا تھا ہم کو پہنایا گیا اور تمام جلسہ کے ساتھ ہم نے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس تاریخ سے تاریخ رٹائی تک ہم نے پھر بارگ یا لباس یا کھانا قیدیوں کا کبھی نہیں دیکھا۔ گو اسی تاریخ سے ہم قید سے رہا ہو گئے گو ٹھارڈ برس تک مثل طرزان کا رہے پانی میں رہے اسی شام سے گھر گھر ہماری دعوتیں ہونے لگیں اور وہ و فیس اور عمدہ کھانے ہم کو کھلانے لگے کہ ہند میں مجھ کو تو کبھی ایسے کھانے نصیب بھی نہ ہوئے تھے۔ وہ ہمارے خیال کو اب ہم کو ہماری عمر صرت جیل کا کھانا کھانا پٹے تھا۔ اس تاویر ملت نے اس نعم البدل کے ہمارے دل سے قطع کر دیا اور اپنی قدرت کو دکھلایا جب ہم اس خبر سے میں پہنچے ہزاروں مرد و عورت قیدیوں کو دیکھا کہ ماتھا ان کا کھود کر پیشانی پر اُن کا نام اور جرم اور لفظ دائم لکھا ہوا ہے۔ کہ وہ نوشتہ مثل نوشتہ تقدیر کے تمام جسم نہیں ملتی۔ مگر یہ تاویر الہی سننے کے بجائے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے وہ حکم ہاتھ لکھو نے کا تمام عملداری سرکار سے ہمیشہ کے واسطے موقوف ہو گیا تھا اس سبب سے اس کے داغ دائم لکھیں سے بھی برحق ہو رہے۔

خداوند سبحان فصیح بکبان کے مشرق کو ۹۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول مشرقی اور ۱۱ درجہ ۴۰ دقیقہ عرض شمالی پر کھلتے سے قریب چھ سو سال کے واقع ہیں۔ یہ

مجموعہ جزائر ۴۶۹ میل کے گھیرے میں جس میں قریب ایک ہزار جزیروں کے  
 شامل ہیں بنام آئندہ مان مشہور ہے۔ علم طبقات الارض کے محققوں کا یہ قول ہے  
 کہ یہ جزائر کسی زمانہ میں بزرگ ایشیا سے ملے ہوئے تھے۔ پھر زمانے کے پیر بھار  
 اور سمندر کی موجوں سے کٹتے کٹتے اول یہ ٹکڑا بزرگ ایشیا سے علیحدہ ہو گیا تھا۔  
 اور پھر آ کر کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہوئے ہزاروں چھوٹے چھوٹے  
 جزیرے ہو گئے۔ یہاں پانچ روز میں کھلتے سے اگلیوں پہنچتا ہے اور زمین روز  
 میں رنگوں سے ملبس یہاں سے تیس سو میل مشرق و شمال اور سنگاپور چار سو  
 میل گوشہ مشرق و جنوب میں اور ہانگ کانگ تین سو پچاس میل مشرق میں اور مکو بار  
 یا شکوڑی اسی میل جنوب میں اور عداس اکٹھ سو میل مغرب اور نکا اکٹھ سو میل گوشہ  
 مغرب و جنوب میں واقع ہیں یہ جزائر سب پہاڑ ہیں عمارتیں بہت کم ہے یہاں  
 سب سے اونچا پہاڑ مونٹ ہریٹیا کہ ہے جو سطح سمندر سے ۱۱۵۰ فٹ اونچا ہے۔ بیٹھے  
 پانی کھلی ندی نالہ یہاں جاری نہیں ہے برسات کے موسم میں بعض اونچے ٹھیکڑوں  
 اور ٹھیکڑوں سے پانی کے جھرنے بہا کرتے ہیں۔ لیکن ایام خشکی میں بند ہو جاتے ہیں۔  
 کوئیں اور دیگیاں یہاں بکثرت ہیں۔ یہاں کے جزائر میں پودے بیرک اندر کو ایک  
 گندک کا پھل ہے اس سے ہر وقت آگ کے شعلے نکل کھڑے ہیں۔ یہاں کے جنگل  
 میں سوائے سور کے اور کوئی چریا یہ درندہ یا چرندہ نہیں ہے۔ لہاب یا بیل  
 یہاں کا ایک عمدہ تھوڑا ہے۔ قوت باہ کے واسطے باہی مہنتور سے بڑھ کر  
 سمجھا جاتا ہے اور بہت گراں مثل ترقہ اور طلا کے بکتا ہے۔ یہاں کے جنگلوں  
 میں ہزاروں قسم کی عمدہ لہباں نکڑیاں موجود ہیں۔ مگر ہمارے ملک کی لہبیاں

موجود ہیں۔ مگر ہمارے ملک کی کوڑیوں سے سراسر غیر ہیں۔ یہی بھی یہاں کے خنک میں  
کئی قسم کا ہے اور اس کی کوڑیاں بطور تحفہ کے ملک ملک کو جاتی ہیں حقیقی البھر کی  
چھڑیاں مثل کالی ناگتھی کے اور سنکھ اور ہزار قسم ادنگ بنگ کی کوڑیاں اور  
طرح طرح کی سپدیاں یہاں کے مندہ سے نکلتی ہیں اور ملکوں کو بطور تحفہ کے جاتی  
ہیں۔ آم۔ اٹی۔ جامن کھنک۔ یاھل۔ جامیل۔ ناریل اور پان وغیرہ کے درخت جگرم  
ملک کے جنگلون میں ہوتے ہیں یہاں سب خود موجود ہیں۔ اب جنگل کے مٹا  
ہو جانے سے پچاسوں گاؤں بھی یہاں آباد ہو گئے اور قسم قسم کی ترکاری اور گرم  
مکوں کے پھل اور جان اور مکی۔ جادو رنگ و ماش و اوکھ اینٹ نیشکر وغیرہ کثرت  
سے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر گیہوں چاروغیرہ بریج اور سرد ملکوں کے ناج یہاں  
بالکل پیدا نہیں ہوتے لیکن سرکاری گیہوں چاروغیرہ کھدہ سے حکومت حساب سات  
پائی فی پونڈ یعنی سوا آدھ میر کے فروخت کرتی ہے۔ اس سبب سے اس ملک میں  
کبھی قحط نہیں پڑتا ہمیشہ ایک ہی نرخ سے غلہ بکتا ہے۔ آب و ہوا اس  
جزیرے کی تمام ایسی عمدہ اور صحت بخش ہے کہ اس کا ثانی پروہہ میں پرکئی  
مکان نہیں ہے جیسفہ اور چمپک اور وبائی بخار اور آدھ شوب چشم کے متعدی نمران  
بالکل نہیں ہیں۔ میس بریس ہم نے کبھی ایک بیمار بھی ان بیماریوں کا نہیں سنا۔  
نہ یہاں سراسر اکثر وں میں جو میں پڑتی ہیں اور نہ دوسرے موزی جانور مثل اسوار و بھیر  
کے ہوتے ہیں بخلا استقام کے قریب ہمنے کے سبب سے ہمیشہ بار و ماس یہاں  
ولی مات برابر ہوا کرتا ہے بہت ہی تھوڑا فرق پڑتا ہے۔ سردی گرمی یہاں دونوں  
نہیں ہمیشہ ہمارے ملک کے چیت جیسا کہ کی کیفیت رہتی ہے۔ یہی جزیرہ

رات کو ایک چاندوڑھنے کی نوبت آتی ہے۔ سرمائی گہڑوں کا یہاں بالکل دستور نہیں نہ کوئی رضائی بناتا ہے۔ نہ دلائی نہ یہاں روئی ہے۔ نہ دھلیا، یہاں نہ کبھی موسم خزاں ہے نہ بہار بارہ مہینے درخت سرے بھرے رہتے ہیں۔ خالی یہاں کی موسم برسات حال جنگلیوں کے خوشگے مادر زاد پھرتے ہیں اس حکیم و عظیم نے بنائی ہے۔ اگر سردی یا گرمی ہو تو وہ خشکی غلو، خزاں ہلاک ہو جاتے۔ یہاں کی بارشوں کی بہت کثرت مٹی سے نو میر تک آٹھ مہینے برابر رات دن برستا رہتا ہے۔ اسی سبب سے یہاں کے کانوں کی چھت ڈھلویں ہوتی ہے جس سے ملک کی کبھی کبھی اور چوٹی چھت اس بارش کا ایک دن بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اوے وہاں کبھی نہیں پڑتے نہ کبھی آندھی جیتی ہے۔ جنگل نہایت گنجان اور خوش گوار ہے۔ درخت اتنے اونچے ہیں کہ گویا آسمان سے باتیں کر رہے۔ جب کسی درخت کو کاٹ کر گراتے ہیں تو سینکڑوں گز تک اُن کی ڈالیاں اور شاخوں کا اثر پہنچتا ہے۔ یہاں کے سانپ اور بھجوں میں زہر نہیں۔ لیکن یہاں کنکھوڑے بہت زہریلے ہیں۔ یہاں کے جنگل میں قدیم سے ایک وحشی خشکی مادر زاد قوم رہتی ہے۔ مرد و عورت کپڑا کوئی نہیں پہنتے اور نہ کپڑا اُن کو میسر آتا ہے ان جنگلیوں کا صحیح حال اب تک معلوم نہیں ہوا کہ کب اور کس ملک سے آکر یہاں آباد ہوئے اور ہمیشہ سے ایسے ہی وحشی ہیں یا کبھی تہذیب بھی تھے۔ یا نہیں یہ جنگلی جیسا کہ مشہور تھا آدم خور نہیں ہیں۔ نہ ان کے بدن پر بال ہیں۔ قریب سو برس کے ہوتے سب سے اول نفٹ بلیر ایک جہاز سی سرور نے یہاں آکر لنگر ڈالا تھا۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر اس جزیرے کا

نام ہوا۔ انہیں ایام میں جس کو سورس ہوئے سرکار نے پہلے بھی قیدیاں جس  
 بیور دیائے شور کار کھنا بخور کیا تھا۔ مگر ناموفق آج وہا کے سبب سے  
 ۱۶۷۱ء میں یہ جزیرہ آباد ہو کر پھر اجڑ گیا تھا۔ سٹیشن کی بغاوت کے سبب  
 سرکار کو پھر اس کی ضرورت ہوئی اور مارچ ۱۸۵۷ء سے گویا دوبارہ اس کی  
 آبادی شروع ہوئی اور پہلے پہل بغاوت کے قیدی یہاں لاکر رکھے گئے۔

## باب (۱۹)

### انڈین کے اصل باشندے

شروع آبادی میں مدت تک جنگلی لوگ سخت مخالف رہے چنانچہ  
 دو مرتبہ انہوں نے ڈاکٹر واکر صاحب پرنسٹنٹنٹ اول کے عہد میں بڑی بھاری  
 جنگیوں کی فوج جمع کر کے ایک دفعہ ہمدرد دوسری بار بارڈین پر حملہ کیا۔ آخر  
 ملائی اور حرکت عملی سرکار سے وہ فرمانبردار ہو گئے۔ اور اب جنگلی یا بستی میں  
 جہاں کہیں وہ ملتے ہیں تو نہایت خاطر داری سے پیش آتے ہیں۔ گو  
 شروع آبادی میں ان وحشیوں نے بہت خون خرابے کیے تھے۔ یہ لوگ چار  
 فٹ سے پانچ فٹ چار انچ تک اونچے نسل حبشیوں کے سیاہ قام گول سز  
 آنکھیں ابھری ہوئیں۔ سر پر بھیڑ کے سے بالی مگر نہایت مضبوط اور قوی ہوتے  
 ہیں۔ ان کل جٹائر انڈمان میں ان کی بارہ قاتیں ہیں ایک قات کی زبان و دھڑکی  
 قوم سے بہت کم ملتی ہے۔ یہ جنگلی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا آسمان میں رہتا



ہے وہی خالق ہر شے کا ہے اور سب سے بڑا ہے۔ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا  
 وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا محل بہت عمدہ اور نفیس آسمان  
 میں ہے۔ اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اسی کے گھر سے پانی برستا ہے بجلی کا  
 شعلہ اور کڑک بھی اسی کے پاس سے آتی ہے۔ موت بھی اُسے کے حکم سے ہوتی ہے۔  
 بھلائی اور روزی بھی وہی دیتا ہے۔ مسماۃ چائنا پالک ایک اس کی جود بھی  
 ہے۔ اس کی جود کو بھی فنا نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوئی۔ مگر اس کا درجہ خدا  
 سے کم ہے۔ اس کا کام ہے کہ سمندر میں مچھلیاں پیدا کرے وہی مچھلیوں کو آسمان  
 سے گراتی ہے۔ یہ لوگ شیطان کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سب بُرے  
 کام شیطان کرتا ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ شیطان حد میں ایک نہیں کا شیطان  
 جس کا نام ارم جو گلا ہے۔ جب زمین پر کوئی ناگہانی موت سے مر جاتا ہے تو  
 یہ سمجھتے ہیں کہ ارم جو گلا نے مار ڈالا ہے۔ ایک سمندر کا شیطان ہے جس کا نام  
 جود وندا ہے۔ جب کوئی آدمی ڈوب کر مر جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کی جود وندا  
 نے مار ڈالا ہے۔ یہ لوگ فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرد عورت  
 دونوں جنس سے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں اور انسانوں کی حفاظت کرتے  
 ہیں۔ یہ لوگ بھوت پریت کے بھی قائل ہیں مگر کہتے ہیں کہ ان کو کچھ خستہ کیا  
 نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا یا غیر خدا کی کسی چیز کی پوجا نہیں کرتے۔ یہ لوگ طوفانِ ح  
 کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک بار زمین پر ایسا طوفان آیا تھا کہ ساری دنیا  
 ڈوب گئی تھی۔ امدان جھیلیوں کے نزدیک ایک کشتی بنا کر اس پر سوار ہو گئے تھے  
 اہایم طوفانی میں بہت دنوں تک اس کشتی پر سوار رہے۔ جب طوفان رفع ہوا

تو کوہشتی کسی پہاڑ پر منجھلہ کوہ ہائے جزائر انڈمان کے ٹھہری تھی۔ یہ لوگ دوسے زیادہ بگنتی نہیں جانتے۔ جب کوئی چیز دوسے زیادہ گنتے ہیں، تو انگلیوں پر اشارہ کرتے ہیں یہ لوگ منگے مادہ زاد بھرتے رہتے ہیں فقط عورتیں ایک چھوٹا سا پتہ اندام نہانی پر ڈاگرے میں اٹھا کر رکھ لیتی ہیں۔ مرد عورت اپنے بدن کو بوتل وغیرہ کے ٹکڑوں سے گود کر بھڑوں کا چھتا یا گٹھی کا کپڑا سا بنا لیتے ہیں۔ مونچھ ٹاٹھسی یا سر کے بال مرد عورت کوئی نہیں رکھتا۔ ان کو بوتل کے ٹکڑوں سے تراش ڈالتے ہیں۔ ان کا بیاہ بھی بہت سیدھے سادے طور پر ہوتا ہے۔ بروقت شادی دولہا دلہن دونوں کے بدن کو گیر واد چربی سے لال رنگتے ہیں اور ساری قوم اس وقت جمع ہوتی ہے۔ ایک آدمی اس جلسہ میں بطور قاضی کے ہوتا ہے وہ شیخص دولہا کو اٹھا کر دلہن کے پاس لے جاتا ہے۔ اور دولہا کے سامنے بہت سے تیر وکان رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے شکار کر کے اپنی عورت کی پرورش کرنا اور پھر وہی آدمی کا ماز بلند لفظ آب ان یعنی لے جاؤ یہ تمہاری بیوی ہے کہتا ہے۔ اس کھٹے کے بعد عقد پتھا ہو گیا اور پھر تاحیات دونوں کے نہ طلاق ہے نہ جدائی۔ شادی کے بعد ان میں زنا نہیں ہے۔ لڑکے پیدا ہوتے وقت پردہ کرنے کی ان کے یہاں کچھ ضرورت نہیں ہے مردوں کے سامنے عورتیں بچے جنیتی ہیں بعد پیدا ہونے بچے کے ایک عورت پتوں سے کھیاں لٹکتی ہے اور ایک عورت تال کا ٹکڑا بچہ کو گود میں لے کر بیٹھتی ہے۔ پچھلے دن بچہ کو غیر عورت کا دودھ پلاتے ہیں۔ دوسرے دن بچہ کی ماں پلانے لگ جاتی ہے۔ اور بعد وضع حمل کے

زچہ اُسی دم چلنے پھرنے لگ جاتی ہے۔ ہر شے جنگل کی کھاتی ہے۔ پر ہیر  
 اچھو اتی کا نام نہیں۔ جب بچہ تھوڑا سا بنا ہوتا ہے تو تیر کھٹھاس کا پہلا  
 کھیل ہے۔ ان لوگوں کا گھر بھی بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ صرف چار کھبے  
 کھڑے کر کے اُس کے اوپر تھوڑی سی تہی ڈال کر ایک چند روڈا سر بنا لیتے  
 ہیں۔ ان کے گھر میں اگر جا کر دیکھو تو سوائے میاں بیوی کے اور کچھ جائداد  
 اور ملکیت نہیں۔ تیر و مکان ان کی اصل جائداد بلکہ جان ہے۔ چھوٹی چھوٹی  
 ڈونگیاں (کشتی) بھی یہ لوگ بناتے ہیں جن پر سوار ہو کر ایک ٹاپوسے دوسرے  
 ٹاپو کو جاتے ہیں۔ اپنے مُردوں کی کھوپریاں یہ لوگ ساتھ ساتھ لیے پھرتے  
 ہیں۔ جب کوئی مہمان کسی دوسرے ٹاپوسے ان کے یہاں آتا ہے تو پہلے  
 تھوڑے فاصلہ پر ان کے گھر سے بیٹھتا ہے گھر والے اُس کو وہیں کھانا  
 پہنچاتے ہیں بعد کھانا کھانے کے وہ جس گھر میں چاہتا ہے جاتا ہے۔ پھر  
 سب اُس سے مل کر روتے ہیں۔ یہ لوگ کھیتی باڑی نہیں کرتے اور نہ اناج  
 کھاتے ہیں۔ ان کا کھانا پھلی اور میمند کے کٹرے کوڑے کچھوسے وغیرہ ہیں  
 ان کو پکڑ کر ادھ لگ پر نیم بریاں کر کے بے نمک مرچ کے کھا جاتے ہیں۔  
 بعض درختوں کی جڑیں اور پھلیاں اور جنگل کے پھل اور تہی اور سور کا گوشت  
 اور شہد بھی ان کی خوراک ہے۔ غولہ زنی کے یہ لوگ پھین کے حاوی ہوتے  
 ہیں کہ شاید کوئی دوسری غولہ زن قوم دنیا کی ان سے سبقت نہ لے جاوے  
 تیراٹنا بھی یہ لوگ بلا کے ہیں سب سیدھے تیراٹنا تے ہیں بہت کم ہے  
 کہ ان کے تیر کا نشانہ غلط لگے۔ ان لوگوں میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہے۔

جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ خود یا اس کا کوئی عزیز نہایت بے دردی سے  
 اور آناڑی پنہ سے بوتل کے ٹکڑوں سے زخم کیسے خون نکال دیتا ہے۔  
 اور جب کوئی مرجاتا ہے تو ایک ٹوکری میں مڑوے کو رکھ کر اس کے ٹھنڈوں  
 کو مڑوے کے اس کی چھاتی تک لاکر باندھ دیتے ہیں اور مارے اعصابوں کو  
 درخت کے چھلکوں سے کسے ہیں اور پھر قبر کھود کر اس میں گاڑ دیتے ہیں اور  
 قبر کے نزدیک آگ جلتی رہتی ہے اور ایک یا دو جینے کے بعد اس کی قبر کھود  
 کر اس کا ماتم کر کے اس کی ہڈیوں کو اس کے سب عزیز آپس میں تقسیم کر لیتے  
 ہیں اور پھر ان کو حذ جان کر کے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور کسی لاش کو  
 بہائے گاڑنے کے ایک مچان پر رکھ دیتے ہیں یا کسی درخت کی شاخ پر  
 لٹکا دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے سے آدمی نیست و نابود ہو جاتا  
 ہے دوبارہ زندہ ہونے اور جزائز آخرت کے قائل نہیں۔ وہ لوگ ناچتے  
 اور گاتے بھی ہیں۔ مگر کوئی باجہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اور نہ ستر مال اس کو  
 معلوم ہے۔ ان لوگوں کا کوئی مذہب اور ملت نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا  
 مذہبی سرکار اور ملا ہے۔ مگر اخلاق اور وصیت اور دیانت اور راست باری  
 ان میں ہے۔ پہلے یہ لوگ روپیہ آخری اور پیسوں کی کچھ قدر نہیں جانتے تھے۔  
 جو کوئی ان کو دیتا اس کو بے کراہہ دیکھ بھال کر زمیں پر بھینک دیتے تھے۔  
 گلاب تو بڑے لالچی ہو گئے۔ راہ چلتوں سے پیسہ پیسہ کر کے سوال کرتے  
 ہیں۔ ان جنگلیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور ان کی لڑکیاں بھی بہت جلد  
 بالغ ہو کر اور تیس برس تک بڑھی پھوس ہو جاتی ہیں۔ دودھ نات نام ایک

ہندوستانی آدمی نے بہت عرصہ ہوا ایک جنگلی عورت سے شادی بھی کی تھی۔ مگر اس کی رہائی ہو جانے کے سبب سے وہ ہندوستان کو چلا گیا اور بے چاری جنگلن کو وہیں چھوڑ آیا۔

۱۸۵۵ء سے ۱۸۶۵ء تک ان جٹار کی آب و ہوا سم قاتل تھی جس کو زخم ہو گیا وہ تیس روز بعد مر گیا اور چوتھے دن مر گیا۔ زخم کیا تھا گویا پیام اجل تھا۔ شہر مدح آبادی میں یہاں اسکو دی کی بیماری بھی بڑے زور شور سے تھی۔ یہ ایک جہازی بیماری ہے۔ اس سے منہ پک جاتا ہے اور پٹہ لیا سخت پتھر سی ہو جاتی ہیں اور آدمی مر جاتا ہے۔ اس بیماری سے بھی ہزاروں رہی آخرت ہو گئے۔

## باب (۲۰) انڈین کی زندگی

احمد شاہ والہانت ہمارے وٹاں پہنچنے سے ایک برس پہلے وٹاں کے سب اراضی رنج ہو کر وہ جزیرہ خونی آب و ہوا میں رشک کشمیر ہو گیا تھا۔ جہاں بیس برس تک ہمارا سر بھی نہ دکھا اور ٹیپے آرام اور راحت سے ہماری قید بسر ہوئی بوجہ کثرت بیماری اور نئی آبادی کے انگریزوں نے شروع میں یہاں کے قوانین بھی قیدیوں کے واسطے نہایت نرم کر رکھے تھے۔ اور قیدیوں سے ہر طرح کا سلوک کرتے تھے۔ مگر حب وٹاں کی آب و ہوا عمدہ ہو گئی۔

اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ تب تو وہاں کے ایسے سخت قانون بنائے کہ لالماں۔  
ہند کے جیلوں پر بھی سختی بڑھا دی مگر ہم لوگ ایک وسط زمانے میں پہنچے تھے  
کہ اب وہ عائدہ ہو گئی تھی مگر ابھی قانون میں سختی کی ترمیم نہ ہوئی تھی۔ اس واسطے  
انہو سے قانون عام خائنہ کے ہم کو ہر طرح کا آرام اور سہولتیں اور عہدے  
اور تنخواہ وغیرہ جاتے ہی مل گئے۔ لیکن ہمارے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد  
وہاں کے قوانین سخت ہونے لگے۔ آخر کو اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ نیا  
قیدی یہاں کر دس برس تک سخت مشقت کرے اور بھڑا رہے سے سخت  
کھانا پاجے اور وردی کا کپڑا پہنے اور بارک میں رہا کرے اور کسی قسم کی مہربانی  
اس پر نہ لی جاوے چنانچہ قانون انڈیاں ہندہ مشقت کا ایک فقرہ بطور  
مثال ذیل میں لکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مزار جس بھور دیائے شوری سے سخت  
مشقت کا کرنا اور فقط اس قدر کھانا پانا کہ جس سے آدمی زندہ رہے۔ ضرور اور  
لازم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی خیر یہی کہ جس قدر سخت قانون سختی کے آتے رہے  
وہ فقط آمد جدید قیدیوں پر مؤثر ہوتے تھے۔ ہم پُرانے قیدی ہمیشہ ان سے  
مستثنیٰ ہو جاتے تھے۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اس قدر مشقت کی بدولت  
بیسویں راجے اور نواب اور زمیندار و مولوی مفتی و مٹھی کلکڑ و نصف و صد  
ایمن و صد و صد و در سالہار و صوبہ دار و محمدیہ و غیرہ وہاں قیدی ہیں۔ مگر وہ جز  
ہند وستانی جنہیں بھی جن کے آگے سینکڑوں ہزاروں نوکر تھے بوجہ سیاہ  
پوست اور جنم ہند کے دوسرے چوڑے چاروں کی طرح موٹا بھوٹا کھانا  
پاتے اور عام لوگوں کے ساتھ سخت مشقت کیتے تھے۔ مگر حضرت یورپین

گورے بلکہ اکثر دھلے کالے کھوٹے بھی فقط بوجہ شرف کوٹ پتلون یا کلمہ  
 عیسائی کے پٹن کے گوروں کے برابر کھانا کپڑا پاتے تھے۔ ایک علیحدہ  
 بتکھیا ان کے رہنے کو ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کو اور جس گورے یا دھلے  
 کو لائسنس مل گیا تو ان کو پچاس روپیہ ماہوار تک نقد تنخواہ بھی ملتی ہے۔  
 تو سب کچھ تھا مگر سٹیشن کا ایک نیا واقعہ عبرت انگیز دیکھ کر لوگوں کو  
 رونا آتا تھا اور وہ یہ ہے۔ کہ سٹیشن میں ایک بد بخت راجا جگن ناتھ  
 پوری کا جس کے واسطے مدت تک اخباروں نے بھی سر پھوٹا تھا قید ہو کر  
 کالے پانی میں پہنچا۔ مگر بوجہ کالا چہرہ ہونے کے بے چارہ عام جوہڑے  
 چماروں کے ساتھ کھانا پاتا اور شفقت کرتا تھا اور جب بوجہ نانک مزاجی  
 اس سے شفقت نہ ہوتی تو بیت اور جیل اور چکی پیسنے کی سزا پاتا رہا۔ آخر  
 انہی حدوں سے تھوڑے روز بعد وہ راجہ جی پر جیل میں مر گیا۔ اور انہیں  
 ایام میں مسٹر ییمیز نام ایک کرائی بھی گوبند سے کالا مگر پورے پتلی نام اور کوٹ  
 پتلون سے شرف ملک اور وہ سے قید ہو کر وہاں پہنچا تھا اور اس کو گوروں  
 کیسا عمدہ کھانا ملنے لگا۔ ایک علیحدہ مکان پٹنگ وغیرہ کل سامان عیش  
 و آرام کا مل گیا اور بجائے شفقت کے کپڑی ٹوٹی کشتہ میں لاکر ہو گیا  
 چونکہ یہ کبخت راجہ اور یہ خوش نصیب کرائی دونوں ایک ہی وقت میں  
 بنے تھے یہ تختہ منسلک اور طرف داری کوٹ پتلون اور تاتہ

# باب (۲۱)

## شادی خانہ آبادی

اتفاق حسنہ اور فضل الہی سے ہمارے اٹل مان پہنچنے کے ایک مہینہ بعد پچاس قیدی بغاوت سسٹھ کے جن میں اکثر منشی اور جبار وغیرہ بھی تھے حسب الطلب راجہ بروکس کے جزیرہ سراوک کو کہ ایک ملائی ملک سنگاپور کے مشرق کو واقع ہے بھیجے گئے تھے۔ اس سبب سے عمدہ عمدہ منشیوں کے خالی تھے میری میاقت کا حال ان لوگوں اس وقت بندیر اخبار مل کے اور نیز مولوی احمد اللہ صاحب سے معلوم ہو چکا تھا اس واسطے میں تو جہان سے اُترنے کے ساتھ ہی کچھری صاحب نیشنلڈنڈ اور چیت کشنری میں محروس کشنوار یا نائب میر منشی مقرر ہو گیا۔ ایک گھر رہنے کو ایک ٹوکر بلا تھوڑا خدمت کو مل گیا۔ مثل آزادان کے جہاں چاہتا رہتا جہاں چاہتا جاتا۔ روک ٹوک مطلق نہ رہی۔ اس وقت میرا عین عالم شبابا قریب ستائیس کے سن وصال تھا جس میں مجھ دی دینی دنیوی دونوں قیامتوں سے خالی نہ تھی اس واسطے اول میں نے چاہا کہ ملک سے اپنی بیوی کو بلوں گزرس کو قانون مانع ہو۔ اس سے میں نے اپنے پہنچنے سے چند ماہ بعد ایک نوادہ ہشمدی عورت سے شادی کر لی۔ یہ عورت نہایت حسن و جمال پر ناکھانی میں چھپس کر دیاں۔ سچی نفی کچھ عرصہ رہی۔ اس وقت سے سچ میرا



اور خدمت گزار ہوئی۔ اب میں دیکھتا تھا کہ رفتہ رفتہ ہر ایک چیز کا جو ہند میں  
مجھ سے چھوٹی تھی نعم البدل مجھ کو مٹا شروع ہوا۔ اور جنہوں نے میری دشمنی پر  
کمر باندھی تھی ایک کے بعد ایک تباہ ہونے لگے یہاں تک کہ میرے ہند میں  
واپس آنے کے وقت تک ہر شخص حسب مدارج خود اپنی اپنی جزائر واجب  
کو دنیا ہی میں پہنچ چکا۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۹۶ء کو جس زمانہ میں یہ خاکسار جزیرہ  
پیر ورنس سینٹ میں تھا مولوی عبدالرحیم صاحب بھی انڈیا مان پہنچ گئے اور  
وہاں جا کر اول گھاسٹ منشی مقرر ہوئے اور پھر اس کے کچھ عرصہ بعد ہسپتال  
محمود ہو گئے اور قریب برس کے اس طرح سے کارسار کار کر کے پھر انہوں نے  
دکان بزازہ کھولنے کا ٹکٹ لے لیا۔ اور اسی پیشہ و کار میں سے ان کی رٹائی  
ہو گئی۔

سمندر کے کنارہ کے ملکوں اور جہازی ملازموں اور سیاحوں پر اکثر  
بحری آفات بھی پڑا کرتی ہیں جن سے ہند کے آدمی سراسر ناواقف ہیں۔ کاکے  
پانی میں بھی ہر سال بہت سے آدمی اور کشتیاں سمندر کی نذر ہو جاتی ہیں۔

## باب (۲۲) تین مہلک حادثے

مجھ کو بھی اس مدت بہت سال میں بارہا ان آفات کا سامنا ہوا مگر  
میں ڈوبنے کے وقت جب میں چاروں طرف سے ناامید ہو کر اللہ رب العزت

کی طرف دل سے رجوع ہوا تو اس ربِ قدیر نے فوراً بچا دیا۔ منجھ بہت سے آفات کے جن میں یہ خاکسار مبتلا ہو کر وقتاً فوقتاً بہتیار رہا۔ صرف میں تین واقعوں کا مختصر یہاں ذکر کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں جزیرہ روس سے پرسو برس منیٹ نام ٹاپو کو جاتا تھا۔ پرسو برس منیٹ کے نزدیک پہنچ کر ایسا سخت طوفان ہوا کہ کشتی ڈوبنے میں کچھ یا قی نہ رہا تھا۔ اس وقت ایک موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل سنگ کے نزدیک کر دیا کہ اس وقت میں اور ایک دو دوسرے مسافر پھرتی کشتی کے پل پر کود پڑے۔ اور سہ ماہ کو دنا تھا کہ ایک دوسری موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل پر دس ماہ اپس کشتی پر نہ پہنچے ہو گئی اور باقی ماندہ لوگ سخت مجروح ہوئے۔ اسی طرح ایک روز ابرٹین سے روس کو جاتے وقت ایک طوفانی موج نے کشتی کو پل پر پلنگ چسما تھا کہ ہم کو در پل پر جا کھڑے ہوئے۔ تب کشتی پل سے ٹکرا کر ٹرے پڑے ہو گئی اور اکثر مسافر مجروح ہو گئے بار برداری ڈوبنے سے بچے۔ ایک تیسری بار ہماری کچری کا سارا حملہ ایک کشتی میں سوار ہو کر روس سے ابرٹین کو آتا تھا۔ وسط راہ میں ایک ایسا سخت طوفان آیا کہ سب لوگ ناامید ہو گئے اور اپنے کو مردہ سمجھ چکے تھے بارش اور ہوا بھی بڑے زور سے تھی۔ نہ نزدیک کنارہ تھا نہ کوئی فریاد رس تھا۔ اندھیرا ایسا تھا کہ کناروں سے ہماری اس مصیبت کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت کشتی کا سکان بھی ٹوٹ گیا۔ پانی کے کشتی بھر گئی کوئی چارہ کار و علاج باقی نہ رہا تب میں نے اس فریاد رس اور دستگیر در ماندگاں کو پکارا۔ میرا دعا گنا تھا کہ غیب سے ہمارے

نزدیک ایک ایک بڑی کشتی جس میں سردار گجیل سنگھ منٹو ڈنٹ پولیس سوار تھے ٹا ہر ہو گئے اور ہم کو اس حال تباہ میں دیکھ کر جھٹ پٹ اُنہوں نے ہم کو اپنی کشتی میں لے لیا اور عیس مسلامت کنارہ تک پہنچا دیا۔

جنوری ۱۸۵۷ء میں یہ نکاسر جزیرہ بدو کو بدل آیا۔ اور وہاں اسٹیشن محرر مقرر ہو گیا۔ ۲۰ فروری ۱۸۵۷ء کو بنگالہ روس مولوی بھی علی صاحب (بھی) فرودس ہوئے۔ اور گو میں اُن سے بہت فاصلہ پر جزیرہ بدو میں تھا اور مجھ کو اُن کی بیماری تک کی بھی اطلاع نہ ہوئی تھی مگر تقدیر مجھ کو وہیں اس وقت جزیرہ روس کو لے گئی کہ جب اُن کا جنازہ تیار ہو کر نماز پڑھنے کی تیاری ہو رہی تھی ہمارے مقابلے کے کل آدھی اُن کی تہیز و تکفین میں مشرک ہو گئے تھے۔ میری بیوی مولوی بھی علی صاحب سے مرید بھی تھی اور اُن سے بہت محبت کرتی تھی اُس کو اس موت کے سبب سے زیادہ صدمہ پہنچا۔ بلکہ ۲۳ اپریل ۱۸۵۷ء کو مولوی صاحب کی وفات سے سوا دو ماہ بعد وہ نیک بخت بھی باہمی فرودس ہوئی۔ ہند سے قید ہو کر جانا گویا اس بی بی کا اسی خاتمہ بخیرے واسطے تھا۔ کہ تھوڑے دنوں میں اس کو نصیب ہو گیا۔

## باب (۲۳)

### تجارت

اس بی بی کی وفات کے بعد میں نے صوبہ زبیر وغیرہ فروخت کر کے



نے مجھ کو ہلاک ہونے نہیں دیا گو میرے عہدہ کے سبب سے رات دن مجھ کو ان وحشیوں کے ساتھ ملنا پڑتا اور طرح طرح کے ایسے سرکاری کام بھی پڑتے کہ وہ اکثر میرے گھر میں بھی آتیں اور میرے پھنسائے کی کوشش بھی کرتیں۔ لیکن جس کو خدا بچا وہ اس کو کون مارے۔ میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنی بیوی کو پانی پت سے پھر ملانا چاہا۔ مگر اس وقت وہ راضی نہ ہوئی اور جب ایک دفعہ اس کی رضامندی بھی ہوئی تھی تو میری درخواست حاکم وقت نے نامنظور کر دی۔ اس واسطے مجبور ہو کر کسی نیک بخت عورت سے وہیں نکاح کرنے کا ہمدردی کر لی اور اس بات میں درگاہ الہی میں بھی التجا کی گئی۔ مگر اس مقدمہ میں جیسے تجھے پسند ہو وہ غیب سے اسے ظاہر کرے اور کسی نیک بخت سے میرا بھوک کرانیو۔ اول بعض دوستوں کی صلاح سے یکے بعد دیگرے دو پنجابی مسلمان عورتوں سے میرے نکاح کی بات چیت شروع ہوئی۔ مگر باوجود رضامندی طرفین اور نہ ہونے کسی ظاہری مانع کے ان دونوں جگہوں کی صلاح خدہ مجبور موقوف ہو گئی اور غیب سے وہ بات درجہ برہم ہو گئی اس وقت میں موقوفی کے اسرار بظاہر معلوم نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ دونوں عورتیں بارگ میں بند رہتی تھیں۔ ان کے چال چلن پر کوئی رائے قائم نہیں ہو سکتی تھی، مگر تھوڑے روز بعد جب وہ دوسرے آدمیوں سے شادی کر کے بارگ سے باہر ہوئیں تو پوری فاحشہ اہل بد بچاریاں اس وقت وہ حکمت الہی موقوفی میری شادی کی معلوم ہوئی اور اس بے نظارت طبی پر میں شکر الہی بجالایا اس مابین میں کہ میں ایک صاحب اور جوان عورت کا ملاقاتی تھا۔

# باب (۲۳)

## دوسری شادی

ایک ہندو عورت قوم برہمن خنص المودہ کی رہنے والی نئی قید ہو کر وہاں پہنچی اور ایک عورت بدو میں بھار سے حاملہ ہوئی۔ میں نے اس کو دیکھا کہ نہایت خوش چلن اور شرمناک عورت ہے۔ مگر میرے سر سے کی اپنے ہندو دھرم میں متعصب تھی۔ کسی مسلمان عورت کے نزدیک کھڑا ہونا اور کھڑا چھونا محکم گوارا نہیں کرتی تھی۔ بابرک کی مسلمان عورتیں اس کے تعصب سے تنگ آ گئیں۔ میں نے برہمنیل تذکرہ ایک روز اس سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو تیرے واسطے دنیا اور آخرت میں بھلا ہو گا۔ اور آگ و درخ سے بھی نجات پاوے گی۔ پہلے تو یہ سوال سُن کر اس کو سخت حیرت ہوئی لیکن روزِ ازل سے اس کا مسلمان ہو کر میرے بہت سے بچوں کی والدہ ہونا مقصد ہو چکا تھا اور اسی سبب سے گو وہ برہمنوں کے گھر ایسے ملک کو ہستان میں پیدا ہوئی تھی جہاں اب تک بھی مسلمانوں کا نام و نشان نہیں۔ مگر تو بھی ہمیشہ شرمناک اور بدست پرستی سے بیزار رہتی تھی اور کبھی بھی بتوں کی پوجا میں شریک نہیں ہوئی۔ گو اس بیزاری کا سبب خود اس کو بھی معلوم نہ تھا۔ بلکہ اس کی وضع اور عادت کو دیکھ کر ایک جوتشی برہمن نے اس کی والدہ کو یہ خبر بھی دی تھی کہ یہ لڑکی جلد تم سے جدا ہو جائے گی۔ اور ہر پریل سہ ماہ میں میری

کشمیر کی بیوی فوت ہوئی۔ ادھر الموڑہ کے پہاڑ پر میری اس برہمنی بیوی پر  
ایک ناگہانی مقدمہ کھڑا ہو کر گرفتار ہو گئی۔ چنانچہ مختصر صورت اس مقدمہ  
کی یہ ہے کہ ایک لڑکی جو اس میری بیوی کے ساتھ باہر ایک ٹھکانے کو نہیں  
بھیل رہی تھی۔ پاؤں پھیل کر کنوئیں میں گر کر سخت مجروح ہو گئی۔ گو اس  
ناگہانی آفت میں میری بیوی کا کچھ قصور نہ تھا۔ مگر ان دونوں لڑکیوں کے  
والدین میں سخت عداوت تھی۔ بوجہ اس عداوت کے ایک مقدمہ اقدام  
قتل اس بے گناہ پر کھڑا کر دیا گیا وہ زخم بھی چند روز کے بعد اچھا ہو گیا تھا اس  
سبب سے قانوناً یہ مقدمہ اس لائق نہ تھا کہ اس میں دائم الجھن کی سرزد ہو جائے  
مگر اس حکیم اور قدیرواں وقت اس بیوی کا پورٹ بلیئر بنچا نا اور میری بیوی  
کو نا منظور تھا۔ تو اس جرم میں گرفتار ہو گئی۔ پہلی ہی شب گرفتاری کو وقت سحر  
اس نے ایک بزدل فردانی چہرہ بوڑھے مسلمان کو خواب میں دیکھا جس نے  
اس کو ایک ٹھوک مار کر اس سے کہا کہ اٹھ نماز پڑھ اور دعا کر تیرے واسطے قید  
ہونا اچھا ہوا۔ اس نے اس سے پہلے ایسی شغل اور مصیبت کا انسان کبھی نہ دیکھا  
تھا اور نہ لفظ نماز اور دعا کا کبھی سنا تھا۔ گھبرا کر جاگ اٹھی اور محافظین جو  
جو ایک مسلمان سپاہی تھا اس سے یہ خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی جس  
لے کہا کہ تو مزدور قید ہو کر مسلمان ہو جائے گی۔ یہ تعبیر گو اس وقت اس کے دل  
پر نہایت شاق اور غیر ممکن معلوم ہوئی تھی گو بوجہ اسی قبولیت انبی اور تعبیر  
روایا حق کی اب اس نے آخر میرے کہنے کو قبول کر لیا اور مسلمان ہونے اور مجھ  
سے شادی کرنے پر راضی ہو گئی۔ اتفاقاً حسنہ سے انہیں ایام میں رمضان

شریف آگیا۔ میں نے سنا یسویں شب رمضان کو ایک بڑا دھوم دھام  
 کا کھانا کر کے اس کو مسلمان بنایا اور حجب ارکان اسلام اور نماز وغیرہ خوب  
 سیکھ گئی تو حاکم وقت سے طے کیا کر کے ۱۱ اپریل سنہ ۱۳۱۷ھ کو اس سے  
 نکاح کر لیا۔ صدائے آدمی میرے نکاح میں شریک ہوئے تھے اور ہمارے  
 مولانا مولوی احمد اللہ صاحب نے یہ نکاح پڑھا تھا۔ دوسرے دن بڑی محوم  
 دھام سے اس کا ولیمہ ہوا۔ اس بیوی سے مجھ کو دس بچے پیدا ہوئے جن  
 میں سے آٹھ بچے اس وقت تک زندہ موجود ہیں۔ اہل یہی بیوی پورٹ بلیر  
 سے ہند کو میرے ساتھ آئی۔ اور یہ پچیس برس گزشتہ اس نے نہایت نفاقت  
 اور اطاعت اور عصمت سے بسر کیے۔ اور توحید اور توکل میں بھی یہ بی بی ثنائی  
 ہے۔ اہلہم زود زود۔

## باب (۲۵)

### دشمن چہ کند چہ مہرباں باشد دوست

میں نے پورٹ بلیر میں بہت کم چند خطوط مشرا اپنے آرام سے رہتا ہوں  
 شادی کرنے اور بطور آزاد کو کرسی نواد کرنے کے حاجی محمد شفیع صاحب انبلی  
 کو وقت فوقتاً لکھے تھے اور ان لوگوں کو جو دوسرے بے قصور مسلمانوں کو پھنسا  
 کر بطور نیم رہا شدہ کے دولت کی جوتیاں کھاتے پھرتے تھے۔ حسرت دلانے  
 سے واسطے اپنی راحت اور تائیدات الہی کو خوب الفاظی بالقد میں بیان کیا تھا۔



لیکن کبھی کسی خط کا جواب میرے پاس نہیں آیا۔ مگر اس مابین میں مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ کسی نے وہ خطوط نظر انداز کر خیر خواہی سرکار میں پیش کر دیے اور گورنمنٹ ہند تک پہنچ کر ان پر بہت بحث ہوئی اور سپرنٹنڈنٹ پورٹ بلیر کے کیفیت بھی طلب کی گئی۔ اور قریب تھا کہ اگر فضل الہی میرے شامل حال نہ ہوتا اور حکام پورٹ بلیر میرے واسطے بطور وکیل نہ جھگڑتے اور ان مہربانیوں اور دعاؤں کا مجھ سے جھین لینا اخلاص قاعدہ عام پورٹ بلیر کے نہ ہوتا تو میرے واسطے ہمیشہ سخت مشقت کرنے کا حکم ہو جاتا اور یہ بھی ایک نشان الہی اور تائید غیبی تھی کہ جان لارنس صاحب بہاؤ گورنر جنرل مجھ جیسے غریب قیدی جس کے وارنٹ میں تاحیات سخت مشقت کرنے کا حکم ہو سخت مشقت کیا ناچاہتے اور وہ رب العزت ایسے جھگڑوں پر بھی مجھ کو مشقت سے بچا دیوے ایک پیام بھی تائید الہی سے تھا کہ جب ہم پورٹ بلیر پہنچے اس وقت وہاں کے سب حاکم و راس احاطہ کے تھے۔ بناوٹ سے ۱۸۵۷ء اور دہائیوں سے کچھ بھی واقف نہ تھے اس سبب سے ان کے سینے بہت صاف از تعصب تھے انہوں نے ہمارے ساتھ کچھ تعصب نہیں کیا۔ بلکہ بوجہ خوش چینی اور عمدہ کارگزاری کے سنہ ۱۸۵۷ء تک سب قیدیوں سے زیادہ مہربانیاں اور رعایتیں ہمارے ساتھ ہوتی رہیں۔ لیکن جب اول بار ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے نمک مرچ لگا کر ہمارے مقدمہ کو رائی سے پہاڑ اور رسی سے سانپ بنایا اور کھدو دیا کہ وہائی اور باغی دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور پھر بنگال گورنر کے صاحب لوگ اس جزیرے میں آنے لگے اس وقت تو ہم لوگ

ایک نشانہ ہو گئے راہ گلی چلتے میں ہماری طرف اشارے ہوا کرتے تھے اور بہت سے صاحب لوگ ہمیشہ اسی گھات میں رہتے کہ کوئی موقع اور قانونی حیلہ پا کر ہم کو تکلیف دیں۔ لیکن جب ایسا حافظ حقیقی کسی کی مخالفت کرے تو اس کو کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب ایک صاحب درپے تکلیف دینے ہمارے کے ہوا تو اس کے مفت بل دوسرا صاحب اس سے بھی بڑا ہماری مدد و اعانت کو کھڑا ہو گیا۔

کرنیل مین صاحب کے عہد میں ایک بڑے پور پین افسر کی سحر یکے میرے اوپر ایک جھوٹا مقدمہ اعانت تصرف بے جا کا دائر کیا گیا اور کرنیل مین صاحب سارے ٹیصب حاکم مجھ سے ایسا برا فروختہ ہو گیا کہ مجھ کو فوراً بند لویہ ممن عدالت میں طلب کر لیا۔ اس وقت میرے بہت دوستوں نے مجھ کو یہ سلاح دی تھی کہ جان بچانے کے واسطے جھوٹ بولنا جائز ہے اس مقدمہ میں اپنی لائٹنی بیان کر کے اپنی جان بچاؤ۔ مگر میں نے کہا کہ جو کچھ ہو سہ ہو میں تو سچ بولوں گا۔ آخر جب مقدمہ پیش ہوا سب سے اہل میں بلایا گیا اور کرنیل صاحب موصوف میرے سامہ ظہار لکھنے لگے میں نے صحیح طور پر حوت بحوت بیان کر دیا کہ میں نے سامنے مسٹر بیوٹ اور میرا دعا علیہ نے مسی حمید خاں جمعدار مدعی کی جائیداد جہاں جہاں پائی بطور خود ضبط کر کے آپ نیلام اور فروخت کر دی۔ اور اس کا ثبوت میں آپ کھا گیا میں بوجہ ہونے محو اسٹیشن کے ضرور اس کے ہمراہ تھا۔ میرا اس قدر بیان ہونے پر مسٹر بیوٹ نے سب روپیہ حمید خاں مدعی کو دلایا۔ اور بیوٹ مذکور جو

سورہ پر یہ ہمارا کام اور سپر تھا نوکری سے سو قوت ہو کر ان جڑائے سے بدر کیا گیا اور  
میں اپنے سیچ کی برکت سے صاف بری ہو کر اپنے گھر واپس چلا آیا۔

جنوری ۱۹۸۸ء میں ٹینٹ، پرائیوٹ و صاحب جو اس وقت کرنیل اور  
تاکم مقام کشن پورٹ بلیر کے ہیں کاسے پانی میں اسٹینٹ ہو کر آئے پائل  
۱۹۸۸ء میں ہماری بقر عید پڑی۔ ایک بیل مول سے کر اپنے دستوں کے موافق  
نے قربانی کرنا چاہا تھا۔ مگر قربانی کرنے کے وقت ہندوؤں نے بلو کر کے وہ بیل  
ہم سے چھین لینا چاہا۔ ہمارے ساتھ چند آدمی تھے ہم نے اس کا فیرواجی حملہ  
سمجھ کر بیل نہیں دیا۔ ہندو صاحب دانت خود ٹوٹے جوش و خروش پر تھے۔  
ہم نے عین اسی وقت میں کہ جماعت ہندو بیل کی قربانی کے ساتھ ہماری قربانی  
کرنے کو ہمارے سر پہ مسلح کھڑے تھے۔ بیل کو قربانی کر دیا۔ ہم مسلمان فقط چار  
پانچ آدمی تھے اور ہندو دس سو نفر سے بھی زیادہ تھے۔ پس ایسی کلیل جماعت کو  
بقابل ایسی کثیر اور پر جوش جماعت ہندو کے باندہ اتنا ہی قرین معلومت تھا مگر وہی  
جوش اور دلالتے فرض نے ہم کو بھی اس فعل کے کرتے پر مجبور کر دیا جب ہندوؤں  
کی آنکھ سامنے قربانی کا خون بہا تو اس پر بڑا بلرہ اور شور و شرعہ قریب تھا کہ  
دس دس خوں ہو جاویں۔ مگر پولیس اور اور میر کے جلد پہنچ جانے پر  
نوبت گشت و خون کی نہ پہنچی۔

# باب (۲۶)

## ہندوؤں کی ناکام پھوٹیں

لیکن مقدمہ کچھری میں چلنے لگا گو ہندو بڑے مالدار صاحب اقتدار اور حکام کے مٹے چٹے تھے۔ مگر پراختہ صاحب کی کوشش اور عاویسہ سے ہم لوگ بچ گئے جیسے میرے خیالات اور سمجھ اس وقت ہے۔ اگر اس وقت بھی ایسے ہی ہوتے تو میں بجائے اس بیل کے بکرا قربانی کرتا اور صدیاؤں کی دلوں کو نہ دکھاتا۔

مباشراً دے آئے یہ خیال ہی کہ  
کہ درخشاںیت یا غیر ازین کما ہے نیت

اس وقوع قربانی کے بعد حسب حادثہ خود سب پورٹ بلیر کے ہندو متفق ہو گئے اور یہ صلاح ہوئی کہ چاہئے ہندوؤں روپیہ جمع ہو جاوے۔ مگر محمد جعفر کو سخت سزا لگائی جاوے۔ اس لیے مونگا لال ایک میرے ماتحت محرر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جس طرح ہومس کے حساب نقدی اسٹیشن میں تغیر تبدیل کلاس کے کوئی مقدمہ غنیمت اور چوری روپیہ سرکاری کا محمد جعفر پر دائر کر لیا جائے۔ اسی واسطے بے صلاح میرے یہ سازش ایک ہندو ریٹر کے ایک حساب نیلام میں جو میری معرفت سے ہوا تھا قریب سوا روپیہ کے غنیمت میرے اوپر قائم کر دیا اور فارسی اور انگریزی دونوں حسابوں سے

رقومات تصدیق کر کے بہت سے گواہ بھی تیار کر لیے گو صاحب ضلع تک واپس  
 اس کی رپورٹ ہو گئی تھی مگر مجھ کو ابھی تک اس کا ردوائی کا کچھ علم نہ تھا۔ آخر ایک  
 دو ٹیک میٹک اور سیرس میرے گھر پہنچے میری کل کتابیں حساب سرکاری کی  
 قید کر لیں۔ اُس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے قتل کا سبب سامان طیار ہے  
 دوسرے دن اس کی دریافت و تحقیقات ہونے والی تھی۔ خیر میں نے اس  
 کارروائی سے مطلع ہو کر اپنے رب سے دعا کی اور اوسیرس سے جس کے زیر  
 حلاست میری کتابیں تھیں سازش کر کے معنی طور پر ایک گھنٹے کے واسطے  
 اپنی کتابیں واپس لے لیں اور اسی ایک گھنٹے کے اندر وہ کل کارروائی  
 جلسہ ساری کی جو مہینوں میں تیار ہوئی تھی رفع و دفع کر کے میں نے اپنا حساب  
 ٹھیک ٹھیک تیار کر کے گناہیں پھر اوسیرس کے حوالے کر دیں۔ دوسرے دن  
 باجلاس پراخرو صاحب بہادر تحقیقات شروع ہوئی جب حسب نشان دہی  
 مدعیان کتابوں میں میرا حساب دیکھا گیا تو سب ٹھیک تھا میرا متغذات نہ  
 نکلا اور چونکہ پراخرو صاحب نے مقدمہ قربانی سے چند روز پہلے سم کو بری  
 کیا تھا اُس نے فوراً کہہ دیا کہ یہ مقدمہ محض دروغ اسی مقدمہ قربانی بیل کی عدالت  
 سے ہے۔ مگر گالالی میرے ماتحت محمد کو چھ ماہ قید سخت کی سزا دے کر  
 اس ہندو ریسر کو ایک درجن بیت کی سزا دی اور مجھ کو بری کر دیا۔ ہندو تو  
 مجھ پر ایسے غصہ ہو رہے تھے کہ انہوں نے کورٹ میں کھڑے کھڑے ایک  
 دوسرا الزام جدیدی مجھ پر قائم کر دیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ مونگالالی مذکور  
 بعد پانے سزا کے اُتو باندھ کر پراخرو صاحب سے عرض کیا کہ مجھ میری مرض

ہے۔ صاحب نے کہا کہ کیا ہے کہو۔ تب وہ بولا کہ حضور نے جو تختہ لائے  
چوب سُرُخ محمد جعفر کو واسطے بنوانے بازار کے دیے تھے۔ اس نے  
ان تختوں سے اپنے گھر کے دروازے اور تخت پوش و صندوق بنوائے  
اور بازار میں نہیں لگوائے۔ اگر حضور اسی وقت تکلیف کریں تو میں وہ سب  
چیزیں محمد جعفر کے گھر سے کڑا دوں۔ جب یہ بیان ہو رہا تھا۔ میں سر  
نیچے کیے ہوئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ اس آفت سے بچاؤ بھی تیرا  
ہی کام ہے۔ کیونکہ جن جن چیزوں کا اس نے نام لیا تھا وہ سب میرے  
گھر میں موجود تھیں۔ اور اس وقت اگر حاکم مجھ سے سوال کرتا۔ تو میرے  
خیال میں میرے نزدیک سوائے ہاں کے کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن اس وقت  
الغلب کی قدرت کو سینے بعد غور سے سننے اس عرض اور وٹوری کے  
پراخرو صاحب نے مونگکا لال سے کہا کہ وہ تختہ ہم نے اس کو دیا ہے۔  
تم کو اس میں مخبری کرنے کا کیا اختیار ہے۔ اسی دم اس کو حالت سے  
باہر نکال دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ تم گھر جاؤ اور ہوشیار رہو۔

۱۷۹۹ء میں ایک رات کو جب کہ میرے گھر میں قریب پانچ  
سودہ پیہ کے سرکاری روپیہ تنخواہ قیدیوں اسٹیشن بدو کا دکھا ہوا تھا میرے  
گھر کی گھر کی توڑ کر ایک چور میرے مکان میں اندر گس آیا اور بتی کو جو میرے  
پتنگ کے نزدیک جلتی تھی بجھا دیا۔ ایک چھوٹا سا صندوق روپیہ سے  
بھرا ہوا میری پائینتی کے پاس رکھا تھا، میں غافل سوتا تھا۔ میرا ایک نوکر  
مراو نام دوسری کوٹھڑی میں تھا۔ اس وقت چور کو وہ صندوق اٹھا بھانے کو

کوئی چیز مانع نہ تھی بلکہ قدرت الہی سے ایک بیک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اندر حیرت کھینچ کر اور کچھ آسٹ باکرا اپنے ڈاکٹر کو بتایا کہ جو روحانی آتھ نامراد جو کراچی میں بحال رہا اور اس رب العزت نے میری عزت رکھ لی۔ بشرطِ چوری ہو جانے اس سرکاری روپیہ کے بظاہر میری سخت خیالی اور بربادی تھی۔

مارچ سنہ ۱۹۸۱ء میں میں نے ایک سید صاحب روپیہ کی ایک ہینڈ وی از طرف سٹر روپ اسٹراپ صاحب کمر اسٹنٹ کمشنر نام منشی غلام نبی صاحب خزانہ کلکتہ پر واسطے منگوائے بعض ضروری سامان اپنی شادی کے بھیجا چاہا تھا اور وہ مال بھی ایک دو سرے سو مارکے نام سے منگوانا تجویز کیا تھا کیونکہ میں لازم گزار تھا۔ بھکونہ منڈوی بھیجنے کا اختیار تھا اور نہ مال منگوانے کا۔ یہ سب کارروائی کا جائز مخفی طور پر کی گئی تھی جب میں خط سٹڈوی ڈاک میں ڈالا تو ہندو میر سے دشمنوں کو بھی اس حال کی کسی ذریعہ سے خبر ہو گئی۔ انہوں نے کرنیل مین صاحب چیف کمشنر سے خبری رسک فوراً منڈوی کو پکڑا دیا اور تجویز ہوئی کہ سوائے منبلی اس زر منڈوی کے مجھ کو منرا بھی ہوئی جناب محمد کمال گزنیار خجیٹ اور منڈوی کی اطلاع ہوئی تو جناب الہی میں التجا کر کے پراخرو صاحب جاکر سارا حال بیان کیا۔ اور وہی مقدمہ قربانی اس عدالت کا سبب خاطر کیا۔ پراخرو صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم کچھ فکر نہ کرو میں کرنیل مین صاحب سے ملاقات کر کے اس کا حال دریافت کروں گا۔ غرض پراخرو صاحب کرنیل صاحب موصوف کے ننگے پر گئے اور ان سے ملاقات کر کے میری ہینڈ وی اور خط دونوں واپس لے آئے اور مجھ کو لا کر رہے دیا۔ اور فرمایا کہ ہندو تمہارے دشمن ہیں تم ہوشیاری سے کام کرو۔

## باب (۲۷)

مولوی محمد حسین صاحب کے تشریف آوری

اگست ۱۸۷۷ء میں راجا جی پھر کچہری صاحب چیت کشتر بہادر میں خیرہ بدوسے صد و تمام خیرہ روس کو تبدیل ہو گیا۔ مئی ۱۸۷۸ء میں جب میں خیرہ روس میں تھا مولوی محمد حسین صاحب ہم لوگوں کی ملاقات کو پٹنہ سے پورٹ بلیر کو آئے اور ایک مہینہ تک ہر کچہر اپنے ملک کو واپس تشریف لے گئے۔ ایک دن جب مولوی محمد حسین صاحب بڑے ذوق شوق کے کشتی میں سوار ہو کر خیرہ روس سے جزیرہ ویر کو مولوی احمد علی صاحب کی قیادت کے واسطے جا رہے تھے راستے میں وکاشی طوفان میں پڑی اور قریب تھی کہ ڈوب جاوے۔ اس وقت اپنے ڈوبنے سے زیادہ مولوی محمد حسین صاحب کو رافضیوں تھا کہ مولوی احمد علی صاحب کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن یہ فقط آزمائش الہی تھی۔ چند حجۃ کون کے بعد طوفان رفع ہو گیا۔ اور مولوی صاحب موصوف خیریت تمام و سپر پہنچ گئے اور مولوی احمد علی صاحب سے ملاقی ہوئے۔ ہماری گرفتاری کے بعد انگریزوں نے مولوی محمد حسین کو بھی چنسا کر کالے پانی بھیجنا چاہا تھا۔ مگر فضل الہی اندکھت برہی سے وہ محفوظ رہے۔ لیکن الشذیب العروت نے اس طرح پہ بھی کالے پانی تک پہنچا کر اور بعض مصائب بحری میں ڈال کر کالے پانی والوں کے اجریں شریک کر دیا۔ مارچ ۱۸۷۸ء میں کرنیل مین صاحب چیت کشتر نشان پاکر ولایت کو



گئے اور اکتوبر ۱۹۷۱ء میں جنرل اسٹوارٹ جواخیر میں جنگی لاپتہ ہند کے ہو گئے تھے چھین کشتی ہو کر انڈیا میں قید ہو گئے۔ اسی صاحب کے عہد میں صاحب ایماں لارڈ میو صاحب بہادر کے پورٹ بلیر میں بھنگاراہ کا کھانا قیدیوں کے واسطے مقرر ہوا اور لارڈ میو صاحب کا بنایا ہوا وہ قانون بھی جاری ہوا جس سے پورٹ بلیر کی قید ہندوستان اور ولایت کے جیلخانوں سے بھی زیادہ سخت ہو گئی۔

## باب (۲۸)

### لارڈ میو گورنر جنرل کا قتل

۸ فروری ۱۸۷۲ء کو لارڈ میو صاحب کا قتل بھی اس مہینہ ٹنڈنٹ کے عہد میں ہوا جس کو بطور ہدیہ مختصر عیدہ نالگو میں کرتا ہوں۔

لارڈ میو صاحب بہادر ۸ فروری ۱۸۷۲ء کو سات بجے کے بعد معہ پاراگنہ ٹوں کے جزیرہ انڈمان میں روزنی افروز ہوئے۔ صدر صاحب لوگا اور سیم واسطے میر جٹا کے ہٹا کے لارڈ صاحب کے ساتھ آٹھ بجے کے بعد گورنر صاحب مع چند مہاجرین خود جہاز سے اتر کر جزیرہ روس میں جو صدر مقام پورٹ بلیر کا ہے مشرف افروز ہوئے۔ اترنے کے وقت لارڈ صاحب کے واسطے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی ہوئی اس وقت ہزاروں مرد و عورت آنا د اور قیدی اس منظر کے واسطے گھارٹ جزیرہ روس پر حاضر تھے۔ لارڈ صاحب بہادر ٹاپو میں اترنے کے ساتھ ہی بانار روس ایٹنڈ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکول و بانار و ہسپتال

وبارک ہوئے قیدیوں و بارک ہوئے جنگی پٹن کا ملاحظہ کر کے چپ مکشتر صاحب  
 انڈمان کے جنگل پر تشریف لے گئے اور وہاں ٹفن تناول فرما کر و قنٹھا آرام  
 کر کے گورہ بارک کا ملاحظہ کیا اور پھر اپنے اگنیوٹ کو دیکھتے ہوئے ویرا پائٹ  
 کو جہاں بدعاش قیدی جیل میں رہتے ہیں شرف افزا ہوئے اور بعد ملاحظہ  
 ویر کے جزیرہ چائٹم کو واپس آئے۔ جزیرہ چائٹم مابین راہ جزیرہ روس  
 اور جزیرہ ویر کے مونٹ ہریٹ پہاڑ کے قریب واقع ہے۔ چائٹم میں ایک  
 وفائی آ رہ گھر ہے۔ یہاں ایک لال لکڑی کے تختہ کو لارڈ صاحب نے  
 بہت پسند کیا۔ چائٹم میں پھر تہ پھر تہ ایک بیک لارڈ صاحب کے دل  
 میں آیا کہ اسی وقت مونٹ ہریٹ پہاڑ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔ پراویٹ  
 سیکرٹری اور چپ مکشتر صاحب نے جو جبر غیر وقت ہو جانے کے اس دن  
 مونٹ ہریٹ کو جانے سے بہت اصرار سے ان کو منع کیا لیکن لارڈ صاحب  
 نے نہ مانا۔ یوں کہو کہ موت نے ان کو نہ ماننے دیا اور چائٹم سے سوار ہو کر موپٹن  
 میں جو زیر پائے کوہ مونٹ ہریٹ کے آباد ہے پہنچے۔ اس ٹاپو میں شیر علی  
 نام ایک آزادی قیدی دست و بازو سے ایک چھری واسطے قتل کرنے کوئی نذر  
 اعلیٰ کے تیار کر کے منتظر بیٹھا تھا۔ جب لارڈ صاحب کی کشتی موپٹن  
 میں پہنچی۔۔۔۔۔ تو شیر علی مذکور اپنی چھری ہمراہ لے کر ان کی کشتی پر  
 سے لارڈ صاحب کے ہمراہ تھا۔ مگر راستہ میں کہیں اس کا داؤ نہ چلا اور لارڈ صاحب  
 بخیریت تمام پہاڑ پر پہنچ گئے۔ اب وقت غروب آفتاب کا آگیا تھا لارڈ  
 صاحب نے اوٹان نکھ کر سمندر میں غروب آفتاب کا تماشا دیکھا اور

کہ ایسا خوب صورت نگارہ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی نہیں دیکھا۔ جب  
 اندھیرا ہو گیا تو مشعلوں کی روشنی میں نیچے اُترنے لگے۔ اس وقت ایک  
 مسلح جماعت پولیس لارڈ صاحب کے چاروں طرف تھی اور چیف کمشنر  
 صاحب اور برائو میٹ سیکرٹری لارڈ صاحب کے دائیں بائیں بدن سے  
 بدن ملائے ہوئے چلتے تھے اور دوسرے میسجیوں افسران کے پیچھے پیچھے  
 تھے۔ اترائی میں بھی لارڈ صاحب بخیریت تمام ہوپ ٹون کے گھاٹ تک  
 پہنچ گئے۔ مگر جب گھاٹ پر ایک گاڑی کے نزدیک جوڑاں اُس دن  
 کھڑی تھی پیچھے چیف کمشنر لارڈ صاحب کی اجازت لے کر کسی ضرورت کے  
 واسطے پیچھے ہٹ گئے اور لارڈ صاحب مع برائو میٹ سیکرٹری آہستہ  
 آہستہ چلے جاتے تھے اُس وقت اس گاڑی کی آڑ میں ایک آدمی نے مثل  
 شیر کی گود لارڈ صاحب کو دوزخم کاری ایک چٹھری سے ایسے لگائے کہ  
 راکٹ کر لارڈ صاحب سمندر میں جا پڑے۔ اس گڑبڑ میں مشعلیں بھی سب گل  
 ہو گئیں مگر ایک دوسرے قیدی نے جرات کر کے قاتل کو کڑا لیا مدد و ماؤد  
 دو چار کر مارتا۔ لارڈ صاحب کو سمندر سے نکالا اور اسی گاڑی میں لٹکایا تو ایک دو  
 بات کر کے رہی ملک بچا ہوئے۔ جب قاتل سے پوچھا کہ تم نے یہ کس واسطے  
 کیا اُس نے کہا کہ میں نے خدا کے حکم سے کیا ہے۔ پھر پوچھا کہ تمہارا کوئی شریک  
 ہے تو جواب دیا کہ خدا میرا شریک ہے بعد حقیقاتِ صابطہ منظوری ہائیکورٹ  
 بمکال کے قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ یہ قاتل شیر علی نام ضلع پشاور کا پہاڑی  
 افغان تھا۔ اُس نے کہا کہ سولہ سال سے میرا دل وہ تھا کہ کسی بڑے افسر انگریز کو

کو مار دیا گیا۔ اس واسطے چند سال سے میں نے یہ چھڑا تیار کر کے رکھا تھا۔ جب ۸ فروری ۱۹۷۲ء کو لاٹو صاحب آئے اور ان کی سلامی ہوئی تو میں نے دوبارہ اس چھڑے کو تیز کیا۔ میں تمام دن اس تاک میں کہ میں کس طرح اس ٹاپو میں پہنچوں جہاں لاٹو صاحب پھرتے ہوئے مجھ کو ملیں۔ مگر مجھ کو وہاں جانے کی فرصت نہ ملی۔ تقریر شام کے وقت جب میں باہر سے ہو گیا تھا لاٹو صاحب کو میرے گھر لے آئی۔ میں پہاڑ پر بھی لاٹو صاحب کے ساتھ گیا تھا اور ساتھ ہی واپس آیا مگر جانے اور آنے میں اور پہاڑ کے اوپر بہتیں مجھ کو ایسا موقع نہیں ملا۔ تب میں اس گاڑی کی آڑ میں آکر چھپ رہا یہاں سے میری مراد دلی پوری ہو گئی۔ شخص کو ضعیف الجھڑ اور پست قد بدو آدمی تھا۔ مگر بڑا شر زوردار و لیرومی تھا۔ پچانسی پڑنے کے وقت تک وہ کچھ ہراساں نہیں ہوا۔ پچانسی کے اوپر چڑھ کر اس نے باواز بلند قیدیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بھائیو میں نے تمہارے دشمن کو مار ڈالا اور تم گواہ ہو کہ میں مسلمان ہوں اور پھر کلمہ پڑھنے لگا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے ہی اس کی جان جسم سے پرواز کر گئی۔

یہ وقوعہ قتل لاٹو صاحب کا ایک ایسے ادنیٰ قیدی کے ہاتھ سے ہونا ایک نمونہ قدرت الہی کا تھا اور نہ کہاں گنگو تیلی اور کہاں راجہ بھوج جیب موت آئی تو صدائے محافظہ کرچوں والے اور وہ ان گنت سلج پولیس والے اور وہ بند و بست اور خبر واریاں کچھ کام نہ آئیں وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے کسی کو اس کی قدرت میں دخل نہیں۔ اس سے ایک ہفتہ پہلے ایک

دوسرے پشاور می افغان نے چیف جسٹس نارمن صاحب کو اسی طرح کلکتہ میں پتھر سے مار ڈالا تھا۔ اب چاہیے تھا کہ بعد ایسے واقعات وحشت اور عبرت انگیز کے انگریز لوگ پٹھانوں کے دشمن ہو جاتے۔ مگر میں نے دیکھا کہ پہلے سے وہ چند پٹھانوں کی خاطر داری صاحب لوگ کرنے لگے۔ اور بجائے افغانوں کے بلقیب و نابھوں کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ تو میں نے سمجھا کہ مارنے والے سے ہر کوئی ڈرتا ہے اور غریب پر ہر کوئی شیر ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب ہم کو اس وقت ہوا کہ جب بعد اس وقوعہ قتل لارڈ صاحب کے پٹھ صاحب کے کمشنر پولیس کلکتہ لالہ ایشری پرشا و ہمارے پرانے دوست جو پہلے ہم غریبوں پر گپ ٹپ لگا کر ساراجھن سے ڈیٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور چند دوسرے نامی نامی افسر پولیس ہند سے یہ بیڑہ اٹھا کر پورٹ بلیر میں پہنچے کہ ہم اس مقدمہ میں ونا بیوں کو ضرور چھٹا دیوں گے۔ مگر فضل الہی سے اس وقت پورٹ بلیر میں جنرل اسٹوارٹ صاحب اور پرنس و صاحب وغیرہ ایسے ہوشیار اور بیدار منہز افسر ہمارے حالات اور چلن اور اس قتل کی کیفیت اور قاتل کے حالات سے بخوبی واقف ہو جوتھے۔ اس سبب سے اس مرتبہ ایشری پرشا و کا شکار خالی گیا۔ ورنہ اس نے پورٹ بلیر میں پہنچتے ہی مثل سابق جھوٹ گواہ بنانے شروع کر دیے تھے۔ مگر جنرل اسٹوارٹ صاحب نے کہا کہ ہم ان ونا بیوں سے بخوبی واقف ہیں اور ایسی ناجائز کارروائی جھوٹی شہادت تیار کرنے کی ہم اپنے علاقہ میں نہ ہونے دیں گے۔ اس سبب سے اس

رب العزت نے اس ناگہانی آفت سے بھی ہم کو محفوظ رکھا اور جو اصل مجرم تھا سزا پا گیا۔

## باب (۲۹)

### میں نے انگریزی سیکھ لی

پورٹ بلیئر میں پہنچ کر بھی تا وقتہ قتل لاہڑیو صاحب میں انگریزی سے واقف نہ تھا۔ سلسلہ میں مام سروپ نام ایک انگریزی خواں کی ترغیب سے ایک برس کی محنت میں مجھ کو انگریزی پڑھنے اور لکھنے پر توجہ میں خوب جہارت ہو گئی۔ چونکہ میں صاحب لوگوں کو اپنی فرصت کے اوقات میں فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ زبانیں سکھایا کرتا تھا۔ ان کے ساتھ ذات و نیا بت رخصت اور ان کے سبقوں کو انگریزی میں ترجمہ کر کے سمجھانے اور ان کے تحریری ترجموں کو صحیح کرنے کے سبب سے روز بروز میری استعداد انگریزی بڑھ چلی اور وہاں اس وقت تک جو جہالت کاجوں کے ملازمان سرکاری کو عراقی و اپیل نویسی کی بھی ممانعت نہ تھی۔ پھر میں نے عربی و اپیل بھی انگریزی زبان میں لکھنے شروع کر دیے تھے۔ جس میں مساتحے ترقی استعداد علمی کے ہزاروں روپیہ کا فائدہ بھی مجھ کو ہوا۔ یہی دو پیٹھے یعنی سہلی اور عراقی نویسی تھے۔ جس میں مجھ کو سو روپیہ ماہوار سے کم نہ ملتا تھا۔ چونکہ میرے سعادوں کوئی مسلمان انگریزی خواں

نہ تھا۔ میں نے بڑے بڑے اہم مقدمات اہل اسلام میں اُن کو ہمیشہ بڑی بڑی  
 مدد دی اور بڑی بڑی اُن فتنہ اور الزام مسلمانوں پر سے اٹھا دیے اس علم کے  
 ذریعہ سے میں نے لوگوں کو بہت بڑا کفّہ پہنچایا جس کو دیت تک اُن کے لوگ  
 بھول نہ جاویں گے اور جن لوگوں کی پھانسیاں میری انگریزی دانی سے موقوف  
 ہوئیں اور جان بچ گئی وہ تو تازا لیت اس احسان کو فراموش نہ کریں گے۔ اور  
 یہ بات بھی ایک بڑے تعجب کی ہے کہ جس دن میری برائی حکم پہنچکر منتشر ہوا  
 اُسی دن ملازمان سرکاری کو عرضیوں کا کھنڈا بھی قطعی منع ہو گیا جس سے ظاہر  
 ہوا کہ وہ اجازت بھی فضل الہی سے مثل وہ سرے نہما گئے بلی میری ہی قات  
 کے واسطے تھی۔ اب اگر کوئی ملازم سرکار بھولے سے بھی عرضی لکھ دیے تو  
 اُسی دن اپنے عہدے سے برخواست ہو جاوے۔ میں نے انگریزی سیکرٹری  
 بڑے بڑے کتب خانوں کی میری اور ہر علم و ہنر کی صداکتا میں دیکھیں  
 دنیا کی کوئی زبان ایسی نہ ہوگی جس کی صرف کچھ انگریزوں نے نہ لکھی ہو اور  
 کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جس کی تاریخ نہایت شرح و بسط کے ساتھ  
 انگریزی زبان میں موجود نہ ہو۔ انگریزی زبان علم اور فنون کا گھر ہے جو انگریزی  
 نہیں جانتا وہ بلاشبہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں ہے اور  
 بے انگریزی دیکھنے پتھا دنیا دار و طرار نہیں ہو سکتا اور نہ سوائے اس زبان کے  
 آج کل کوئی آلہ نمکدانے کا ہے مگر جس قدر یہ زبان دنیوی فوائد سے بھری ہوئی  
 ہے اس سے زیادہ دین کے واسطے مضر بلکہ سم قاتل ہے۔ کوئی جو ان لوگ جس  
 نے پہلے قرآن اور حدیث اور سلوک راوی نبوت میں خوب مہارت اور مشق نہ

کرے ہو اگر اس زبان کو سیکھ کر میری طرح ہر قسم اور ہر علم کی کتابیں کا مطالعہ کرے گا۔ ضرور پرے سرے کا بے حد آزاد بدوین۔ بے ادب محمد ہو جائے گا بلکہ ایسا بے دین اور محمد ہو گا جس کا ستور نامحال کیا بلکہ غیر ممکن ہے۔

## باب (۳۰)

### مغربی علوم کا محمدؐ نہ اثر

مگر فقط زبان انگریزی کا سیکھنا اتنا مغرب ہو گا۔ صرف کتب بعض علوم کی جو تعلیم ابدیاء کے خلاف ہیں ایک ایسے شخص کو جو اصول مذہب اسلام سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ ضرور بدوین اور محمدؐ کو دین کی اور ایسے مشکوک اس کے دل میں پیدا ہوں گے کہ تاہم جن کا کھانا محال ہے اور بوجہ اسی مرض یا موت قلب کے احاطے عبادت میں بھی بہت مست ہو جائے گا اور گونا گویا ہر میں وہ دعویٰ اسلام کا کرے۔ مگر فردا اسلام سے اس کا نام خارج ہو جائے گا۔ اب یا وجود میری اس دینداری کے پہلے میرا ہی حال سمجھیے کہ اس علم کی بدولت محمدؐ پر کیا کیا اثر ہوئے اسی علم کی بدولت میری ناز تہجد جس کا میں پچھن سے عادی تھا ایک ظلم چھوٹ گئی تھی۔ رات کو حسب عادت خود میں جاگ پڑتا تھا۔ مگر وہ بجے شب سے فجر تک چار پائی پر بیٹھا رہتا۔ ہرگز ہمت نہ ہوتی کہ اٹھ کر وضو کروں یا ناز پڑھوں۔ نہ جمعہ میں نہ جماعت میں شامل ہوتا نہ قرآن حدیث پڑھنے



اور سننے کو راغب ہوتا۔ ہر وقت انگریزی دیکھنے کو دل چاہتا کوئی گھڑی  
 انگریزی کتاب پڑھنے سے خالی نہ رہتا۔ رمضان بھر میں چاہتا کہ تلاوت قرآن  
 مجید کڑ بھول کر بیٹھنے کو بھی بیٹھتا مگر پڑھنا نہ جاتا۔ زبان پر نقل ہو جاتا جو  
 دعا میں لاتھا اٹھا کر گھنٹوں تک مانگا کرتا تھا اب اس خوابِ خرگوش میں  
 یہ حالت ہو گئی تھی کہ لاتھا اٹھا کر چار کلمہ بھی زبان سے ادا نہ ہوتے تھے ان  
 ایام میں فقط فرض نماز پنجگانہ میں پڑھا کرتا تھا اور اس کا ادا کرنا بھی پہاڑ سے  
 تریا وہ سخت تھا اور قریب تھا کہ میں فرض نماز روزہ کو بھی حجاب دے دوں  
 اور اس کے چھوڑ دینے اور عیث ہونے کے دلائل بھی شیطان مجھ کو تسلیم  
 کیا کرتا تھا۔ قرآن مجید بقیہ تین پارہ کے مجھ کو حفظ یاد تھا۔ اس میں سے  
 فقط اخیر کی چند سورتیں یاد رہ گئی تھیں اور باقی سب بھول گیا تھا۔ حدیث  
 حدیثیں بھی مجھے حفظ یاد تھیں وہ بھی گویا دل سے کسی نے دھوڑا لی تھیں۔  
 روز بروز ان بڑے عقائد اور زشت اعمال سے دل پر رنگ جتنا چلا جاتا  
 تھا اور یہاں تک میرا دل روگی اور مرچیں ہو گیا تھا کہ اس پر ترس کی حالت  
 تھی اور قریب تھا کہ دل مردہ ہو جاوے۔ اور طرہ یہ کہ اس حالت میں بھی  
 شیطان ایسی ایسی وجوہات میرے دل پر نقش کیا کرتا تھا کہ میں اپنی اس  
 حالت کو بھی سب سے بہتر جانتا اور سمجھتا تھا کہ فقط اقرار کلمہ لا اِلهَ اِلاَّ  
 اللہ جنت میں جانے کو بس ہے۔ یہ تکالیفِ شرعی سب بے فائدہ  
 ہیں۔ اور یہ بھی مجھ کو یاد ہے کہ گاہے گاہے انکار حق تعالیٰ جو شیطان کا  
 اصل مطلب ہے وہ بھی مجھ کو القاء کیا کرتا تھا۔ اور جب کبھی میں محمد اور

دہریوں کے دلائل کو دیکھتا تو خواہ مخواہ دل اُن کو قبول کرنا چاہتا۔ غرض مجھ میں اور  
 کفر میں فقط چند انگشت کا فرق باقی تھا اور قریب تھا کہ میں اُس میں گر جاؤں اور  
 یہ کیفیت کوئی ایک دو دن نہیں رہی مگر بوجہ اقبال رانلی یا تمیک اعمالِ سابقہ  
 کے میں اپنے کو بالک اور گمراہ سمجھ کر یہ دعا بھی اکثر مانگا کرتا تھا کہ اے اکلہ و  
 مجھ اندھے کا ہاتھ پکڑ۔ آخر غفایتِ الہی اور تربیتِ وہابی نے پھر جوشِ مارا کہ  
 دسمبر سنہ ۱۳۷۱ء میں یہ خاکسار ایک بیک بیمارِ مزہ ایک سخت و نبل کے جو میری  
 جانگھ پر نکلا تھا بیمار شدید ہوا جس سے کھانا نہ لینا سب چھوٹ گیا ڈیڑھ چھینے  
 تک اس سے میری دل پیپ جاری رہی۔ پانچ ہفتہ تک میں ہسپتال پڑا رہا۔  
 مرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا۔ دوست آشنا سب مایوس ہو گئے تھے اس  
 حالتِ مرض میں یہ خاکسار بہت گرگڑایا اور اپنی گزشتہ حالت سے منفصل ہو کر  
 پورا پورا تائب ہوا اور عہد کیا کہ اس مرض سے شفا پاتے ہی نماز تہجد بھی شروع کر دوں گا  
 اور قرآن اور حدیث کا مطالعہ بھی کیا کروں گا۔ مجھ کو اس وقت آثارِ قبولیتِ عا  
 کے عموماً ہو گئے اور اسی گھڑی سے دل کی حالت پلٹ گئی آثارِ رحمت اور تربیت  
 وہابی کے معلوم ہونے لگے بخولا تھا قرآن اور حدیث اور ادعیاتِ مانورہ آپ سے  
 آپ یاد دہمنے لگ گئیں نہانا اور دعا میں لذت اور جلالت پانے لگا۔ تب  
 میں سمجھا کہ یہ بیماری محض میری اصلاح اور تربیت کے واسطے ہی تھی۔ ہسپتال  
 سے واپس آکر میں نے پھر از سر نو حدیث اور تفسیر پڑھنا شروع کی اور تھوڑے  
 ہی عرصہ میں میری حالت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔ پھر میں نے خیال کر کے دیکھا کہ  
 جس قرآن و حدیث کے پڑھنے سے طبیعت گھبراتی تھی اور زبان پر نقل ہو جاتا تھا

اور ایک آیت پڑھنا بھی محال اور دشوار تھا وہاں میں دن جبر بیٹھ کر پڑھتا ہوں اور اس کے پڑھنے سے طبیعت کو سرور واد دل کو لذت ہوتی ہے اور وہ دعا جس کے واسطے اُتھا اُٹھانا محال تھا اب گھنٹوں مانگنے سے بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور اطاعت کی توفیق دینا بھی ایک اس کا فضل ہے جس کو چاہے دیوے اور جس کو چاہے نہ دیوے۔

## باب (۳۱)

### وہابیوں کے خلاف سرکار کا اعلان جنگ

جواگ گرفتاری و اُتھان ۱۸۶۱ء میں تھا نیر میں روشن ہوئی تھی اس روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ خود ہمارے مسلمان اور ہندو بھائی بھائی بھائی کے اس میں تیس اور تار پین ڈال کر بڑھاتے گئے آخر کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے تو ہزاروں من ولایتی بارود اور کرو سین آئیل اس میں ڈال دیا اور ہماری سرکار کو یہاں تک بیڑ کایا کہ صادق پور پٹنہ کے وہ مکانات جن میں تافذ کے لوگ ٹھہر کرتے تھے معہ مکانات سکتی ان فرضی باغیوں کے کھدوا کر پھینکوا دیے مگر اس پر بھی سرکار کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ ۱۸۶۱ء کے اخیر تک پٹنہ اور ننگال میں سلسلہ گرفتاری بے گناہوں کو جاری رکھا۔ بے چارہ امیر خاں سوداگر جیم احمد مولوی تبارک علی وغیرہ بہت سے آدمی پٹنہ میں پکڑ لیے مولوی امیر الدین صاحب کو پٹنہ میں جا کر پکڑا اور ایک بوڑھے اور ضعیف شخص امیرہیم منڈل کو اسلام پور

میں اور اپنے معمولی اور پڑتے پڑانے گواہوں سے جو چاہا گواہی دلو کر سچا رول کو کالے پانی کو روانہ کیا اور میرزاں کی جائداد سے اپنا کل خرچہ پورا کر لیا اگرچہ اس امیر خاں کو باوجود دائم الجبسی کے چار برس بعد گورنمنٹ نے معفت کا احسان رکھ کر چھوڑ دیا اور جبہ جائداد منضبط سے واپس نہ دیا۔ اگر چار برس پہلے الزام سے بری ہو کر چھوٹ جاتا تو اپنی جائداد منضبط بھی سرکار سے واپس لے لیتا۔ اسلئے تعصب اور معفت کے احسان کی طرف غور کر کے دیکھیے کہ اگر امیر خاں مذکور ایسا بھاری مجرم تھا جیسا کہ ملاحظہ مثل مقدمہ سے ثابت ہے تو ایسے بھاری مجرم کو چار برس قید کیوں رہا کر دیا اور اگر وہ قصور وار نہیں تھا جیسا کہ اس کی جلدی رہائی سے ظاہر ہے تو کس واسطے اسے بھاری سہام سے اس کو قید کر کے اس کی جائداد منضبط کی تھی۔ مارچ ۱۸۷۸ء میں مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب یعنی ہمارے پاس کالے پانی میں پہنچے۔ مگر بوجہ اجدا قانون جدید سختی کے بے چاروں کو مدت تک سخت مشقت کتنی پڑی لیکن بفضل الہی کچھ عرصہ کے بعد مولوی تبارک علی صاحب سٹیشن محرر اور مولوی امیر الدین صاحب معلم مدرسہ مقرر ہو گئے اور فقط دس برس قید کاٹنے کے بعد توجہ و فیض بخشی لارڈ رین صاحب بہادر ہمارے ہی ساتھ رہا ہو کر اپنے اپنے گھر کو واپس آ گئے اور وہ ان کی سختی مشقت قید کی کمی ایام قید میں مجھرا ہو کر ہمارے برابر ہو گئے جب دس برس تک بھی یہ سلسلہ گرفتاری و مابیاں بند نہ ہوا تو میں اپنے بد اعمال کو یاد کر کے بہت کڑا کرتا تھا کہ یہ آگ تیرے گھر سے نکلی اور تیری بد اعمالیوں کے سبب سے دس برس سے تمام مہند

میں ہزار اعلیٰ اور شرناگراں پنجہ مصیبت میں، اگر تجھ سامخوس ید بخت نہ  
پیدا ہوا ہوتا یا بچپن ہی میں مرجاتا تو یہ آفت اور مصیبت مسلمانوں پر نہ  
پڑتی۔ ۵

چواڑ قوے یکے بے دانشی کرو

نہ کہ دامن ملت مانند نہ مہر را

مارچ ۱۸۵۷ء میں اسی جہاز میں مولوی تبارک علی اور مولوی امیر الدین  
صاحب آئے تھے۔ میاں عبدالغفار کی بی بی اور ان کے دو لڑکے بھی بکلم  
مرکار کا لے پانی میں پہنچے۔ میاں عبدالغفار نے بذریعہ چھپ کاشنریوٹ پلیر  
کے مرکار سے درخواست کی تھی کہ میری بیوی اور بچے ہند سے بلا دیے  
جاویں۔ صدارت فریں جنگال گورنمنٹ پر کہ اس نے اپنے خرچ سے ایسے  
یاغی کے جہود اور بچوں کو کا لے پانی میں پہنچا دیا۔ مرکار کا یہ قصہ اور وہ مول  
کو دیکھتا ہوں دس برس تک دیا یاد کرتے رہتے تھے یہ غرض تھی کہ وہابیوں کا  
قطع قلع ہند سے کیا جاوے۔ اور ان کا بیج ناس ہو جاوے۔ سو میں نے  
کا لے پانی سے واپس آکر اس کے برعکس دیکھا۔ میری موجودگی ہند کے وقت  
شائد پنجاب بھر میں دس و دہائی عقیدے کے مسلمان بھی موجود نہ تھے۔ اب  
میں دیکھتا ہوں کہ کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے مسلمانوں کی  
کم سے کم چارم حصہ وہابی معتقد محمد اسماعیل کے نہ ہوں۔ یونانیو مایہ فرقہ ایسا  
بڑھ رہا ہے جیسے ایک وقت پرائسٹنٹ ایک بیک تمام یورپ میں بڑھ  
گئے تھے۔ اور کوئی مذاہب اور مذہب کشی اور سولی اور چانسی اور جلا وطنی اور آگ

زندوں کو جلا دینا اُن کی ترقی کو مانع نہ ہوا تھا بلکہ تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرقے کی ترقی کو مانع ہونا اور اس میں تشدد کرنا سب سے قوی سبب اس کی ترقی و جہاد و جلال کا ہوتا ہے۔ دور کیوں جاؤ مٹوڑے دن کی بابت ہے کہ جب سکھوں کا فرقہ نکلا اور اُس کی ترقی شروع ہوئی تو مغلوں نے کس قدر اُس کے نیست و نابود کرنے کے علاج کیے مگر خدا کے بڑے گئے کو کوئی روک سکتا ہے۔ آخر وہی سکھ ہیں جنہوں نے پشاور سے دہلی تک مغلوں کی سلطنت چھین لی اور سو برس تک بڑے جلال اور اقبال سے راج کیا اور ملک و کن میں نشستوں کا یہی حال سمجھو جتنا روکا اتنا بڑھتے ہی گئے۔ خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ میں دست اندازی کرنا اپنے کو لٹک کرنے کا سامان ہے۔

## باب (۳۲)

### اولاد

۱۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو میری بڑی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کے عقیقے کا کھانا بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا اور مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب جن کو وہاں صرت پندرہ دن چوسنے تھے اس عقیقے میں شامل تھے۔ اس کے بعد میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی۔ مائے محبت کے اس کا نام میں نے اپنی ہندوستان کی لڑکی کے نام پر رکھا تھا۔ اس کے عقیقے کا کھانا بھی ویسا ہی دھوم دھام سے ہوا اس کے بعد پھر تیسرا بچہ محمد صادق ۲۶ نومبر

سلسلہ کو پیدا ہوا اس کا نام جی میں نے اپنے ہندوستان کے لڑکے  
 کے نام پر رکھا تھا۔ اس لڑکے کی پیدائش کے وقت ایک عجیب سا عالمی جو  
 قابلا میری استی کے واسطے تھا ظاہر ہوا جس دن یہ لڑکا کالے پانی میں پیدا ہوا  
 اسی دن بلکہ اسی وقت میرا بڑا لڑکا محمد صادق پانی پت میں فوت ہو گیا جب  
 اس کی وفات کی خبر مجھ کو پہنچی میں نے اس کا نم البدل اس کے ہم نام اپنے پاس  
 دیکھ کر حیرت شکر کیا اور اس کی والدہ کو بھی اس کا نم البدل اور ہم نام مل جانے  
 کی خبر کھنکھائی۔ جب میں نے انگریزی سیکھی تو ڈاکٹر منتر صاحب کی کتاب  
 اور انڈین مسلمان کے دیکھنے کا بیٹا شوق ہوا بمشکل تمام سات روپے قیمت کو  
 لکھتے سے ایک جلد طبع دوم کی میں نے منگوائی اور اس کا مطالعہ کیا تھا ایک  
 مقام پر دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی لمبی چوڑی تہید بانٹھ کر لکھا  
 ہے کہ اگر بہ نظر ترجمہ خروازہ سرکار بھی ان زبانوں کو کالے پانی سے نہائی بھی دیکھ  
 تو یہ لوگ اپنی رانی کو من جانب الہد جل جلالہ سمجھ کر منہ کو واپس آنے کے بعد  
 بھی اعد زیادہ موجب تخریب اور بیادہی سلطنت انگریزی کے ہونگے پہلے ہی  
 سے سکار کا غصہ دیکھ کر ہم رانی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ یہ مثنوی زہر کمیز  
 دیکھ کر رہی ہی امید بھی جاتی رہی۔ اور اس کے بعد جب گورنٹ ہند نے  
 قاعدہ رانی قیدیان دائم الحبس بعد انقضائے بیس برس تار مخ قید سے جاری  
 کیے تو اس میں بھی ہمارا مقدمہ رانی سے مستثنیٰ ہو گیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر  
 ناامیدی اس وقت ہوئی تھی کہ جب سلسلہ میں خود ڈاکٹر منتر صاحب مولف  
 کتاب مذکور گورنر جنرل ہند کے صاحب مقرر ہو گئے۔ تب ہم نے جانا کہ جی کی کتاب

کو ایک دفعہ مطالعہ کر کے بڑے سے بڑا حائے انگریز ساری عمر کے واسطے سمارا دشمن بنائی ہو جاتا ہے۔ تو اس کی موجودگی محکمہ گورنری میں رہائی کیلئے نہ معلوم ہم پر اور کیا آفت لاوے گی۔

## باب (۳۳)

### رہائی کی امیدیں

لیکن بااثر ۱۸۸۱ء سے یہ بات غیب سے دل میں طبع ہوئی تھی کہ ہم جلد رہا ہو کر ہند کو جانے والے ہیں۔ میں نے مولوی انوار الاسلام اور حافظہ محمد اکبر پانی پتی کو خطوط بھی لکھ دیے تھے کہ میں جلد ہند کو آیا چاہتا ہوں۔

جون ۱۸۸۱ء میں یہ خاکسار منشی خلیع حیتوبی پورٹ بلیر کا مقرر ہو کر پڑا کو بدل گیا اور اپنے پرانے آقا اور شاگرد مسیح پرہارے و صاحب ڈپٹی کمشنر کا میر منشی ہوا جہاں میں اپنی رہائی اور روانگی کی تار و پود تک برابر اسی عہدہ پر رہا اس صاحب نے میری فائنت سے پورٹ بلیر کی آئین کی کتاب بھی بنائی جو بعد منظورری گورنمنٹ سے مستحضر بھی ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی خود میں نے ہی لکھا تھا اور وہ بھی چھپ چکا ہے۔ میری چودہ برس کی عہدہ کار گزار یوں اور جاں فانیوں پر نظر توجہ ہو کر اسی صاحب کی تحریک سے بڑی دھوم و حاشام سے ایک لمبی چوڑی گورنمنٹ ہند کو میری رہائی کی رپورٹ بھی ہوئی تھی۔ اس رپورٹ پر رہائی کیا ہوئی تھی۔ مگر سکرٹری ہوم ڈپٹی گورنمنٹ اس قدر ناراض ہوا کہ



کہ تاحیات میری رہائی غیر ممکن ہو گئی اور دوبارہ کسی افسر کو میری رہائی کی رپورٹ کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہا۔ بسنٹھ کے اخیر میں مولوی عبدالفتاح صاحب پسر مولوی عبدالرحیم اپنے والد کی ملاقات کے واسطے پورٹ بلیر میں پہنچے اور کوئی ایک برس تک وہاں رہ کر پھر ملک ہند کو واپس چلے گئے، اس وقت مولوی عبدالرحیم صاحب نے ایک مسودہ عرضی اپنی خاص رہائی کے واسطے لکھا اور اپنے بیٹے کی معرفت سے ہند کو روانہ کیا تھا کہ جس سے وہاں ایک عرضی اس مسودہ کے موافق ان کی بیوی کی طرف سے تیار ہو کر بھنور گورنر جنرل ہندیا پر بل سنٹھ میں پیش ہوئی جس میں یہ بیان تھا کہ

میرے شوہر مردہ مل کچھ بیماری قصور ثابت نہ ہوا تھا، اس واسطے بروقت تجویز مقدمہ سشن جج اور نیز چیف کورٹ نے یہ ارشاد کیا تھا کہ بشرط نیک چلتی بعد چودہ برس کے عبدالرحیم کے مقدمہ میں نظر ثانی کی جاوے گی۔ سواب تو اٹھارہ برس ہو گئے۔ میں نے اس کی جدائی میں بہت تکلیف اٹھائی اور وہ بھی بہت بوڑھا ہو گیا۔ مگر کارب اس کو بعد ملا خطہ مثل کے رہائی بخشنے۔

بعد ملا خطہ اس عرضی کے لارڈ رین صاحب بہادر نے سوائے طلبی مثل مقدمہ کے پنجاب اور بنگال گورنمنٹ سے رائے بھی طلب کی کہ اگر ان مایوں کو رہائی دے جاوے تو کچھ قیامت تو نہیں ہے۔ بعد آنے آئے لوکل حکام کے مقدمہ نمکد تا شروع سال آئندہ کے فتویٰ ہو گیا۔ چونکہ یہ عرضی مولوی عبدالرحیم صاحب کے واسطے تھی اور وہ اصل ان کا قصور بھی نہ تھا فقط عرضی مفسدوں کی

اولاً تصور ہو کہ زبردستی قید کیے گئے تھے اس واسطے ہم لوگوں کو فقط اُن کی ڈائی  
کا انتقال تھا۔ اُس ذریعہ سے اپنی رڈائی کا تو مجھ کو گمان بھی نہ تھا ہمارے اخیر  
وقت میں سب بنگال کوڑے صاحب لوگ پورٹ بلیر میں جمع ہو گئے تھے۔  
اس سبب سے اُن کو تعصب بھی ہم لوگوں سے زیادہ تھا۔ ۱۸۵۱ء میں بوجہ  
پیری اور ضعف کے مولوی احمد اللہ صاحب جن کی عمر اس وقت اسی سال کے  
قریب تھی قابلِ ترجمہ دشمنان ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی یہ حالت ناز و میکہ  
کراپنے بیٹے مولوی محمد نعین صاحب سے جو کلکتہ میں مقیم تھے بلا کر ملاقات  
کرنی چاہی۔ حالانکہ بموجب قاعدہ عام پورٹ بلیر کے یہ ملاقات جائز اور درست  
تھی اور سینکڑوں بیٹے اپنے باپوں کے آکر مل گئے۔ مگر فقط اس سبب سے  
کہ احمد اللہ وہابی ہے۔ ان کی یہ درخواست نامنظرد ہو گئی۔ اس مابین میں تھانہ  
میں نے بھی ایک درخواست کی تھی کہ محمد شید میرے حقیقی برادرِ نادہ کو میرے  
پاس پورٹ بلیر میں آنے کی اجازت بخشی جاوے۔ حالانکہ یہ درخواست بھی مکرر  
قابلِ منظوری کے تھی۔ مگر فقط اس سبب سے کہ سائل وہابی ہے وہ بھی نامنظر  
ہو گئی۔

## باب (۳۴)

حضرت مولانا احمد اللہ صاحب کا انتقال

جب مولوی احمد اللہ صاحب نہارت کمزور اور چار پنج مسخری ہو گئے تو زوری

عبدالرحیم صاحب نے ان کی حالت اور کمزوری بیان کر کے حکام کو لکھا کہ میں ان کا رشتہ دار قریب ہوں۔ ویپر میں کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے اس واسطے امید دار ہوں کہ ان کو ایسٹڈین میں میرے گھر پر رہنے کی اجازت بخشی جاوے یہ درخواست بھی جس کے پڑھنے سے سنگدل کا دل نرم ہو جاوے فقط اس وجہ سے نامنظور کی گئی کہ حمزہ اور عبدالرحیم دونوں واپسی ہیں ان کے ساتھ ایسی رعایت اور مہربانی نہیں ہو سکتی جب مولوی صاحب موصوف کا حال تہامیت پہلا ہوا اور صاحب لوگوں کے تعصب کا یہ حال تھا تو مولوی عبدالرحیم صاحب نے یہ اجازت چاہی کہ تھوڑی مدت کو ویپر میں ان کے پاس رہنے کی اجازت بخشی جائے سو یہ درخواست بعد بڑی دریافت و بحث کے منظور ہو کر مولوی عبدالرحیم صاحب کو ۲۰ نومبر کو شمار کے وقت ایک تحریری پاس ملا اور اسی رات کو واقعہ ۲۱ نومبر ۱۸۸۵ء مطابق ۲۸ محرم ۱۲۹۵ء شب دوشنبہ کو بوقت ایک بجے رات کے مولوی صاحب موصوف کی روح اس جسم قید و رقید کو چھوڑ کر فرود میں بریں کو پرواز کر گئی۔ مولوی صاحب کی وفات کے وقت عبدالواحد نام ایک ملازم مولوی صاحب موصوف کا ان کے پاس ہسپتال میں حاضر تھا ہرنے کے وقت مولوی صاحب جو پہلے چند روز سے عالم بے ہوشی میں تھے انکو کھول کر اللہ مالک الملک آخری کلمہ فرمایا اور مرد ہو گئے۔ ۲۱ تاریخ کو بوقت آٹھ بجے فجر کے بمقام ایسٹڈین ہم لوگوں کو طہ لاث ہوئی۔ ہم سب آدمی بچہ بہت سے دوستوں کے فوجے فجر کے ویپر میں پہنچ گئے۔ میں کچھری ضلع میں منشی تھا اور بلا اجازت صاحب ضلع کے جانیں سختی تھا اور بوجہ تعصب حکام

اجانت بن ممال تھا اور محمد کو ان کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونا ضرور ہوا اس واسطے میں بہ توکل مولا بلا اجازت و سپر چلا گیا۔ اور ایک عربی طبعی بیحدی کہ میں احمد اللہ صاحب کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونے کو سپر جاتا ہوں۔ آج کی میری غیر حاضری معاف فرمائی جاوے۔ ہم نے دیر پہنچ کر سحری درخواست حکام انگریزی سے یہ بھی کر دیکھی کہ ہم کو اجازت بخشی کہ مولوی احمد اللہ صاحب کی لاش کو ابراہین میں سے جاکر ان کے آگے بھائی مولوی بھئی علی صاحب کی قبر کے متصل دفن کر دیوں۔ یہ درخواست بھی نامنتظر ہو گئی تو لاچار بعد غسل و نماز کے ان کی لاش کو لے جاکر گور غریباں واقعہ ڈنڈا اس پینٹ میں جو و سپر سے تھوڑی دور ہے دفن کر دیا۔

اپنے نسبت سالہ تجربات میں میں نے یہ بھی اکثر دیکھا کہ جب کبھی کسی افسر یا حاکم کی مدد پر میں نے بھر دیا اور خدا کی طرف توجہ نہ رکھی تو میرے دہانے اسی خیالی معاون کے ہاتھ سے مجھ کو اینڈ پیچوانے کا نند و بستی کر دیا۔ مگر جب میں نے اس خیال سے نائب ہو کر اس ذات وحدہ لا شریک کی طرف رجوع کیا تو پھر اس غالب زبردست حکمت والے نے میری مدد کی اور آفت سے نجات بخشی اور جو لوگ پہلے سے میرے دشمن تھے اور جن سے میں ڈرتا تھا ان کو میری مدد اور پشت پناہ پر کھڑا کر دیا۔ خداوند تعالیٰ کو کسی طرح بھی منظور نہیں ہے کہ میں اس کی طرف سے توجہ بھرا کر غیر اللہ کی طرف رجوع کروں۔ وہ رب العزت ہمیشہ مجھ کو مار مار کر اذیت دینے کے مشرک سے بچا کر اپنی طرف رجوع کرتا رہا ہے۔

ستمبر ۱۹۵۲ء میں لاچار ہو کر میری ہندوستان کی بیوی نے پانی پت سے

مجھ کو کھٹا کر مری میڑی لڑکی جوان ہو گئی۔ تمہاری رہائی کی امید پر آج تک اس کی شادی کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب بظاہر کوئی شکل تمہاری رہائی کی ایسی جلدی نہیں ہے۔ اس واسطے اگر اجازت دو تو کسی جگہ اس کی شادی کا بندوبست کیا جاوے اور اس کو ازخیر کے واسطے کچھ خرچہ مزدوری بھی بھیج دو۔ میں نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو گویا تار منج حکم رہائی سے اڑھائی ماہ پہلے بقدرتیں مسویم کے بعد اور زیور دیا چر پانی پت کو بھیج دیا۔ اور اپنی بیوی کو کھٹا کر تم کسی دیں۔ ۱۵ مسلمان سے اس لڑکی کی شادی کر دو۔

## باب (۳۴)

### فرمانِ رہائی

حبیب میرا بھیجا ہوا اسباب اور خط پانی پت میں پہنچا تو بوجہ میرے شامل ہونے کے اس شادی میں بچائے خوشی کے غم ان لوگوں کو ہو گیا اور میری بیوی اور لڑکی رو رو کر یہ دھائیں کرتی تھیں کہ اسے قاعدہ کریم اس کو بھی اس شادی میں شریک کر بظاہر کوئی سامان میری رہائی کا اس وقت نہ تھا۔ مگر اس حجاب الدعوات نے وہ فریاد ان کی اسی دم قبول کر لی۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۷ء کو بلاغی اور درخواست اور بلاغی سفارش میری رہائی ہو کر مجھ سے پہلے پانی پت میں میری بیوی کو اطلاع ہو گئی۔ اب جو میری رہائی کا نادر قریب آیا تو میں ہر اگنوں میں اپنی رہائی کا منتظر رہتا تھا اور اس ملک کے تحفے نہایت صحیح کر کے چلے کو تیار بیٹھا۔

گو بہت سے لوگ جو میرے مقدمہ اور جواب حکمہ گورنری سے واقف تھے میری اس تیاری کو دیکھ کر مجھ پر ہنستے تھے۔ آخر ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء روزہ دوشنبہ کو ہمارا فی نام الگنٹس یہ حکم لے کر پہنچا کہ جس قدر آدھی بھڑم بغاوت و ناٹائی کیس میں قید ہیں سب ایک تھم رہا کر کے ہندکو روانہ کر دیے جاویں۔ ان کی لوکل گورنمنٹ ان کی سکونت کے واسطے بندوبست معقول کرے گی۔ جب حکم وٹاں پہنچا تو میں اور مولوی عبدالرحیم صاحب دیوانی عبدالغفار و مولوی تبارک علی و مولوی امیر الدین اور میاں سودا کل ۶ نفر اس مقدمہ کے وٹاں موجود تھے سو سب کی رٹائی ہو گئی۔ جب یہ حکم بندہ اخباروں کے ہند میں شہور ہوا تو یو جرحیت اسلامی جملہ انجمن و مجلس ہائے اسلام نے اس طرح خسروانہ لارڈز پرین صاحب بہادر بندہ یسوریل کے ان کا شکریہ ادا کیا۔ جیسے ہماری گرفتاری پر گھر گھر تمام ہند میں داوایلا مچ گیا تھا۔ ویسے ہی گھر گھر خوشی اور شکریہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں اور لارڈز پرین صاحب کی مداحی اور شکریہ گزاری سے ہماری زبان اور سلم کھنچے حاضر نہ ہو گئی جس کی اولوالعزم اور ترجمان بالیسی سے ہم کو ہند کا دیکھنا پھر نصیب ہوا۔ اسی عرصہ میں میرے ایک پڑا نے شاگرد کپتانی ٹپسل صاحب نے جو بروقت میری رٹائی کے خاص کیپ انبار میں مجسٹریٹ تھے میری رٹائی کی خبر پا کر مجھ کو کھٹا کہ اگر تم میرے پاس رہنا قبول کرو تو میں گورنمنٹ سے اجازت لے کر تم کو اپنے پاس بلا لوں۔ میں نے اس پیام کو تا سید غیبی سمجھ کر قدامت قبول کر لیا۔ تب انہوں نے گورنمنٹ پنجاب سے اجازت حاصل کر کے اور خود میرے خاص ہو کر کل شرائط گزافی وغیرہ میرے اوپر سے اٹھوا دیں۔ جب میری رٹائی

کا حکم پورٹ بلیر میں آیا تو میری بیوی خود عالم اجس تھی اور اس وقت اس کو فقط چودہ برس قید میں ہوئے تھے اس واسطے اسی انکسٹ میں گورنمنٹ کو اطلاع دی گئی کہ جیت تک محمد جعفر کی بیوی رہا نہ ہوگی وہ ہندو نہیں جاسکتا اور اپنی ڈائی کا حکم پا کر اسی وقت میں نے بھی گورنمنٹ پنجاب کو لکھا کہ یہاں نہایت عمدہ میرا گھر موجود ہے اور میں سو روپیہ ماہوار کا نوکر ہوں اور ہند میں نہ میرا گھر ہے اور نہ مکان اور غالباً حکام پنجاب میرے وٹاں آنے پر مجھ سے تاحق چھڑ سچا کر لیا کریں گے اور مجھ کو قیدی سا بن سمجھ کر کوئی نوکری وغیرہ بھی نہ دیوں گے اس واسطے میں اسید وار ہوں کہ وقتاً فوقتاً ہند میں جا کر اپنے بال بچوں کو دیکھ آیا کروں گا۔ گو جمعیت کشر صاحب پورٹ بلیر نے بعد اظہار میری نیک چلنی اور عمدہ کارگزاری کے پھر سفارش بھی کی تھی کہ محمد جعفر کے واسطے کسی خاص طور پر مراکے سے اعلانہ مقرر کیا جادے تب ملک ہند میں اس کی گزراں ہو سکتی ہے۔ لیکن گورنمنٹ پنجاب نے میری اس درخواست کو نا منظور کر کے جزاً مجھ کو اوڈیر سے بال بچوں کو ہند میں بلایا مگر یہ وعدہ کیا کہ یہاں پنجاب میں اس کو نوکری مل سکتی ہے۔

۳ مارچ ۱۸۵۳ء کو مولوی عبدالرحیم و میاں عبدالغفار و مولوی امیر الدین صاحب و تبارک علی رفاہ ہند ہو گئے اور بغیر مریت تمام اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ اس کے بعد ۲۰ اپریل ۱۸۵۳ء کو میاں مسعود بھی چلے گئے فقط میں اکیلا باقی رہا۔ ۲۸ مئی ۱۸۵۳ء کو میری بیوی کی کافی بھی آگئی۔ مگر اس وقت میری بیوی کو چھ مہینے کا حمل تھا اور ہند میں موسم طوفان کا شروع ہو گیا تھا اس واسطے میں نے تا ۱۰ نومبر ۱۸۵۳ء مطابق محرم ۱۲۷۴ء

پورٹ بلیر میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اس جہلت میں میں نے اپنے گھر کا سبب فروخت کرنا شروع کیا اور اونے پونے پر جیسے ہوا بیچ ڈالا۔ اکثر برس لڑائی میں میں نے چاہا کہ میرا گھر جو بی جس میں میں رہتا تھا مسجد کے قریب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کر دیا جائے اور سب مسلمان جو بغیر مسجد کے کیلئے اٹھاتے تھے اس وقت سے بہت خوش ہوئے۔ مگر یہ سچا صاحب دینی کھنڈن نے اندر ہاتھ بکس کر یہ پورٹ کر دی کہ یہ شخص دینی ہے اور یہ مسجد بھی دینیوں کے قبضہ میں رہے گی۔ اس واسطے یہاں مسجد بنانے کی اجازت نہ دی جاوے۔ پس وہی تعصب و ماییت کا اس کار کو بھی مانع ہوا۔

## باب (۳۶)

### پورٹ بلیر پر اسخبری نظر

جیسا کہ میں اپنے پورٹ بلیر میں داخل ہونے کا ذکر کر کے بعد میں حاکم متعلقہ جغرافیہ و قدیم باشندگان بیان کیے ہیں۔ اس مقام پر اپنے پورٹ بلیر کے روات ہونے کے ذکر کے پہلے قوانین و اندام و اطوار ساکنان پورٹ بلیر کو ذکر کر کے اس جزیرے سے کوچ کروں۔ یہ جزیرہ مثل دوسرے احاطوں کے ایک مستقل لوکل گورنمنٹی ہے۔ صاحب چیف کسٹرن انڈیان کو اختیار ہے کہ جو ایکٹ چاہیں یہاں جاری کریں اور جس حاکم و ماتحت کو چاہیں اختیار دیوانی یا نو جلدی کے علاقہ کریں یہاں کا چیف کسٹرن اس قسم کا شخص سچ بھی



ہے۔ یہاں کے چیف کمشنر کا حکم نافذ ہے۔ اس کا کچھ اپیل نہیں ہو سکتی صرف  
 مقدمات پچانسی میں گورنر جنرل جب اس کونسل کی منظوری لی جاتی ہے باقی  
 اور سب امور ویوانی امداد و جہاز میں یہاں کا چیف کمشنر ٹی گورنر بھی ہے یہاں  
 کوئی جہاز یا مسافر یا کوئی مال وہ سب اب بلا اجازت صاحب موصوف کے اس  
 ملازم سے جاسکتا ہے، یہاں کا چیف کمشنر صدر مقام دوس میں رہتا ہے۔  
 اس کی تنخواہ میں ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ یہ قسمت و فضلہوں میں تقسیم ہے۔  
 ایک ضلع جنوبی میں جس کا صدر مقام ابراٹین ہے، دوسرا شمالی جس کا صدر  
 مقام جانت ہے۔ دونوں صاحب ضلعوں کے ماتحت بہت سے اسٹیشن  
 اور اکثر اسٹیشن کمشنر کام کرتے ہیں۔ اس اسٹیشن کے دستور العمل  
 اور قواعد بتا رہا ہے اب تک ذرا قوت کا بہت بدلتے رہے ہیں اگر  
 ہمیشہ رو یعنی وجہ میں اہل ہر کہ آمد بکل مزید کہہ رہا ہے خوب عمل ہوتا ہے۔  
 یہاں قریب دو ہزار قیدی کے سالانہ ہندسے نئے قید ہو کر آتے ہیں اور اس  
 وقت قریب چودہ ہزار قیدی کے یہاں موجود ہیں۔ جہاز سے اترنے کے بعد  
 ایک ہفتہ بعد ان کی بیڑی گٹ جاتی ہے۔ یہاں کوئی سبیل نہیں ہے۔  
 بارکوں میں یہ قیدی ماتحت قیدی افسروں کے رہتے ہیں۔ دن میں مشل  
 جیل ہائے ہند قیدی سخت مشقت کرتے ہیں۔ دو وقت ان کو خچہ کھاتا تھا  
 ہے۔ رات کو انہیں بارکوں میں سو رہتے ہیں۔ ان بارکوں کی حفاظت پر سوار  
 قیدی افسروں کے اور کوئی پولیس یا جنگی بلٹن نہیں ہے۔ غرض قیدیوں کی  
 حفاظت اہل نگرانی اور ان کو کام پر تقسیم کرنا اور ان سے کام کروانا یہ سب

پرانے قیدی افسروں کے سپرد ہے جو سرور لال و ویشہ اور گھلے میں چڑھ کر مل کر رہتے ہیں اور حسب مدارج اپنے عہدوں کے سوا خوداک کی نقد تنخواہ بھی سرکار سے پاتے ہیں۔ ان نئے قیدیوں کو بھی بشرط نیک چلتی تین بار برس کے بعد کسی قدر نقد تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے اور بعد تنخواہ پانے کے یہ نئے قیدی بھی پیٹے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ دس برس نیک چلتی رہنے کے بعد ہر ایک مرد قیدی مستحق ٹکٹ پانے کا ہو جاتا ہے اور ٹکٹ یہ ہے کہ قیدی آزاد ہو کر بارگ سے نکل جاتا ہے۔ اور شہر اور بستیوں میں رہ کر جو چاہے پیشہ کرے اور کھاوے کماوے۔ قریب پچاس سالٹھ کے قیدیوں کی بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبر دار اور چوکیدار و پواری ہیں۔ جو لوگ کھیتی کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں ان کو گاؤں میں نو توڑ زمین بقدر وضع کردہ مسافت سرکار سے مل جاتی ہے اور تین برس تک محصول معاف رہتا ہے اور کبھی کبھی کچھ تھادی اور بیل اور خوداک سے بھی سرکار مدد دیتی ہے۔ جو حلوائی یا نان بنائی یا نانائی وغیرہ پیشوں کے ٹکٹ لیتے ہیں ان کو بھی کبھی کبھی کچھ مدد ملتی ہے۔ اس ٹکٹ پانے کے بعد قیدی آزاد ہو جاتا ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ جو عورتیں قید ہو کر آتی ہیں وہ ایک علیحدہ جہیز میں ماتحت قیدی عورت افسروں کے بارگ میں رہتی ہیں۔ حتی المقدور جب تک و سے بارگ میں رہتی ہیں زنا کاری کی پوری پوری روک رہتی ہے۔ عورتوں کو بھی اپنی بارگ کے اندر پائی سلائی وغیرہ کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ عورتوں کو پانچ برس کے بعد ٹکٹ آزاد کی کامل جاتا ہے لیکن جو ان عورتیں

جب تک شادی نہ کر لیوں ملکٹ پاکر اپنی بادرگ سے باہر نہیں جانے پائیں  
 بعد انقضائے پانچ برس مدت قید کے عورت کو اختیار ہے جس مرد سے  
 چاہے شادی کر لیوے۔ مردوں میں سوائے ملکٹ والوں کے مشقتی  
 بادرگ یا مثل قیدی شادی نہیں کر سکتے۔ جس مرد کو شادی کرنا منظور ہوتا ہے  
 وہ عورتوں کے ٹاپو میں جا کر کسی عورت کو پسند کر کے کچھ اُن کو دے دلا  
 کر راضی کر لیتا ہے اور جب میاں بیوی راضی ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کو  
 ایک اقرار نامہ اپنی رہنمندی اور محبت و موافقت سے مل کر رہنے کا  
 رو بروئے صاحب کمشنر بہادر کے لکھ دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد بیوی میاں  
 کے گھر چلی آتی ہے۔ ملکٹ والے قیدی ملک سے اپنے بال بچوں کو بھی  
 بلا سکتے ہیں۔ جب کوئی قیدی بیس برس تک نیک چلن رہے تو پھر  
 اس کی رہائی بھی ہو جاتی ہے اور اس کو بعد رہائی کے اختیار ہے چاہے  
 اس ملک میں رہے چاہے اپنے وطن اور زاد و بوم کو چلا آوے۔ بعد  
 ملکٹ پانے کے قیدیوں کو اختیار ہے کہ اپنی کمائی حلال سے چاہیں لاکھوں  
 روپیہ جمع کر لیوں۔ مگر ملکٹ سے پہلے بلا اطلاع و اجازت حکام وہ نہ کچھ  
 اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کے پاس جمع کر سکتا ہے۔  
 قیدی جب تک بادرگ میں رہ کر مشقت کرتے ہیں ایک برس یا تین مہینے  
 میں ایک خط اپنے گھر کو بھیج سکتے ہیں اور ایک خط آمدہ ہند پاسکتے ہیں۔  
 مگر ملکٹ والے ہر مہینے میں ایک خط بھیج سکتے ہیں۔

پورٹ بلیر ایک ایسی جگہ ہے جہاں چینا، برہما، ملائی، سنٹل، جنگلی بکڑی

کشمیری پشتونی۔ ایرانی۔ کرائی۔ عربی حبشی۔ پارسی۔ پرتگیزی۔ امریکی۔ انگریزی۔  
فرنگی وغیرہ اور ہندوستان کے سب ضلعوں اور شہروں کے آدمی مثل بھوٹیا  
نیپالی۔ پنجابی۔ سندھی۔ گجراتی۔ دیس والے۔ ہندوستانی۔ اہل برج۔  
آسامی۔ تہلی۔ بند۔ بلکھنڈی۔ اوڈیا۔ تلنگی۔ مرٹھے۔ کرناٹکی۔ مدراسی۔ ملیالم  
گوڈ۔ بھیل۔ بنگالی۔ گول۔ بنٹھال وغیرہ سب موجود ہیں۔ جب یہ لوگ  
آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔ مگر  
بازار اور کچھروں کی زبان یہاں بھی ہندوستانی ہے۔ ہر ملک کا آدمی یہاں  
آکر آپ سے آپ ہندوستانی زبان سیکھ لیتا ہے کیونکہ یہاں اس زبان  
جاننے کے یہاں آدمی کا گزارہ نہیں ہو سکتا میرے خیال میں پودہ زمین پر  
کوئی دوسرا مقام ایسی مختلف قوموں سے آباد نہ ہو گا۔ قریب چالیس مختلف  
قوموں کے جو ایک دوسرے کی زبان نہ سمجھ سکیں یہاں موجود ہیں۔ شاہی الہی  
سے یہاں ایک ایسا میلہ جمع ہوا ہے۔ شاید آج تک پودہ زمین پر ایسا مجمع  
کہیں نہ جمع ہوا ہو گا۔ جب کوئی بنگالی مرد اور مدراسی عورت یا بھوٹیا مرد اور  
پنجابی عورت علیٰ ہذا القیاس آپس میں شادی کرتے ہیں اور میاں بیوی کی  
اور بیوی میاں کی بات نہیں سمجھتے اور بروقت ٹکرا اور لڑائی باہمی کے  
دونوں اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اور فریق ثانی کچھ  
نہیں سمجھتا تو عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ یہاں جب کسی قریب شادی پر  
دعوت اور نیوٹہ ہو کر ملک ملک کی عورتیں جمع ہو کر اپنی اپنی بولی میں گاتی  
اور اپنی وضع پر ناچتی کودتی اور اپنے اپنے ملک کا لباس پہنتی ہیں تو وہ تماشا

بھی قابل دید ہے۔

یہاں قوم کی پابندی جو ہندوستان کی چٹانی بیماری ہے ایک ظلم  
 ترک بنوئیج مسلمان مرد و خا کسی ذات کا ہو مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک  
 شادی لے لیتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہندو ہونا کافی ذاتی ہے ایک  
 ذات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ برہمنوں کے گھروں میں پسنیس اور جاٹوں  
 کے گھروں میں برہمنیاں موجود ہیں۔ یہاں ٹھگ وہ ٹھگ ہیں کہ دل کو ٹھگ  
 لیویں اور چور وہ چور ہیں کہ آنکھوں کا کاجل چڑالیں۔ یہاں شعبہ باز بازمگیر  
 بہرو پیسے پختہ دیلے۔ نقال۔ جیجرے۔ غلط۔ طوائف۔ میرا سی۔ گویئے۔  
 قوال اور ہر فن کے نیک و بد حاش سب موجود ہیں۔ یہاں اچھے اور نیکوں  
 کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپا پو مولوی اور پنڈت اور درویش و بھائی جی وغیرہ  
 سے خالی نہیں ہے۔ یہاں مدراسی اور بنگالی سوکھی مچھلی بھی بڑے مزے سے  
 کھاتے ہیں۔ اس سوکھی مچھلی کو جس میں مٹے مٹے چرے کی سی بو ہوتی ہے  
 عمدہ عمدہ گوشت پر یہ لوگ سبقت دیتے ہیں۔ برہما اور چنیا پتی بھی کھاتے  
 ہیں پچھلیوں کو پیپوں میں بھر کر سڑانے سے جب ان میں کیڑے پڑ جاتے  
 ہیں تو ان کیڑوں اور مڑی پچھلیوں کو کوٹ کر بنتی بنتی ہے اور اس میں  
 ایسی بدبو ہوتی ہے کہ ہم لوگ چوا کے سُرخ ایک میل تک جی اس کی بدبو  
 سہا نہیں سکتے۔ مگر برہما اور چنیا اس کو بھانجے گرم مصالح کے ہر عمدہ کھانے  
 پر بڑا بڑا کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ جب ان کو پنی مل گئی تو گویا دنیا  
 کی نعمت مل گئی۔ یہاں کسی طوائف یا کسی کی عام دکان نہیں ہے۔ مگر اگر

عورتیں ایسی بے حیا اور فاحشہ ہیں کہ گسیوں کو ان سے شرم آتی ہے ۔  
 بعد تجربہ کے مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنی اپنی وضع اور بولی اور لباس و  
 خرداک ہر کسی کو پسند ہے ۔ جنگلی اپنے جنگل میں رہنے اور تنگ ڈھنگ پر مہرے  
 اور کپڑے کوڑے کھانے کو ہماری قبا اور دو شالوں اور پلاؤ اور تکیہ پر بے وقت  
 ریتے ہیں ۔ ہمارے کھانوں سے ان کو تے لگتی ہے ہمارے کپڑے پہننے سے  
 ان کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے ہم کو تنگ رہنے سے ۔ برہما چدینا ہمارے  
 گھی کے پکو ان کو دیکھ کر اپنی ناک بند کر لیتے ہیں ۔ ہمارے قلیے اور قوسے  
 اور پلاؤ کے بھنگا رہنے سے عربوں کا دماغ پر اگندہ ہو جاتا ہے ۔ انگریز لوگ  
 ہمارے علم کو نہیں سونگھ سکتے ۔ غرض سچپن سے زبان اور ناک جس چیز کا حاجی  
 ہو گیا ہے وہی اس کو پسند ہے ۔

## باب (۳۷)

### سوادِ ہند کو روانگی

جب میں ۹ ماہ نومبر ۱۸۵۳ء کو سوار ہونے کو تھا تو اس وقت  
 میں نے ایک عام دعوت کر کے اپنے سب دوستوں کو مدعو کیا تھا ۔ اس  
 دعوت کی فہرست ... کی پیشانی پر لکھا تھا کہ یہ خاکسار بعد ایک قیام  
 اٹھارہ برس کے بظاہر ہمیشہ کے واسطے ہندوستان کو جانے والا ہے  
 امید ہے کہ آج میرے کل عنایت فرما جن کے نام نامی درج ذیل ہیں قدم

رنجہ فرما کر خاکسار کے ساتھ آخری ماحضر تناول فرما کر شکور و ممنون فرما دیں گے جس کسی کو یہ دعوت پہنچی بلا غندہ و ڈاجلا آیا۔ یہ دعوت میرے گھر میں میرے سوار ہونے سے نقط ایک گھنٹہ پہلے دوپہر کے وقت ہوئی تھی۔ میری جڑائی سے حاضرین کے منہ پر دووا شک جاری تھیں۔ ہر چند بہت لوگوں نے اس جلسہ مفارقت میں کچھ پیچ (تقریر) کرنا چاہا۔ مگر دو لفظ کہنے کے بعد ہر کسی کی اچھکی بندھ جاتی تھی۔ میں خود بھی جو ایک تقریر طویل نصیحت آمیز کرنے کو تھا ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکا۔ اور دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس دن اتفاق سے جمعہ تھا۔ بعد تناول طعام مولوی یاقوت علی صاحب کے ساتھ آخری نماز جمعہ پڑھ کر گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔ میں معہ لواحقین خود سوار ہو کر جزیرہ روس کو چلا آیا وہاں میرے ہمراہ بھی عدد نامرد و عورت مجھے رخصت کرنے کو آئے تھے جب بوقت چار بجے شام کے میں معہ لواحقین خود مقام جزیرہ روس کے کشتی پر سوار ہو کر انگریز کو چلا تو بیشمار خلعت خوشی اور رنج سے زار زار روتی تھی۔ اس وقت میرے ساتھ ایک میری بیوی اور آٹھ بچے معہ میرے کل دس نفرتھے اور قریب آٹھ ہزار روپے کے میرے قبضہ میں جائیداد تھی۔ اس وقت میں اپنی اس حالت کو کہ جب میں ۱۱ جنوری ۱۹۶۶ء کو اسی گھاٹ میں ایک تنگونی باندھ کر تین تنہا جہاز سے اُترتا تھا اور اب ایسی رنج اور غم کی جگہ سے معہ دس نفراور آٹھ ہزار روپے کی جائیداد کے واپس جاتا ہوں یا دکر کے قدمت خدا پر تعجب کرتا تھا کہ حکام دنیا نے مجھ کو بے خانماں کر کے سخت سزا کے واسطے یہاں بھیجا تھا مگر اس حکام

حقیقی نے کہ حد اصل جس کے ہاتھ میں ساری دنیا اور مافیہا کا انتظام ہے دشمنوں کے ہاتھ سے میرے ساتھ کیسے سلوک کرائے اور مجھ ایک فرد واحد سے دس ہزار میرے اہل بیت کے کر کے کس اعزاز اور اکرام سے مجھ کو واپس لے چلا۔ اور چونکہ یہ جہاز جس پر میں سوار ہونے کو تھا اسی جگہ کھڑا تھا جہاں وہ جہنا جہاز جو مجھ کو لے کر آیا تھا کھڑا ہوا تھا اور اس دن میں فجر کے وقت جہنا جہاز سے اترتا تھا اور آج شام کے وقت ہمارا فی الگنیوٹ پر سوار ہونا تھا اس واسطے مجھ کو اٹھارہ برس تک اس جزیرے میں رہنا ایک خواب و خیال معلوم ہوتا تھا اور ایسا خیال میں آتا تھا کہ میں آج فجر کو جہنا جہاز سے اترتا تھا اور آج ہی سوار ہو گیا۔ میں نے اپنے چلنے سے چند روز پہلے بقدر راہ خدج کے اپنے پاس رکھ کر باقی کل نقد روپیہ کو جو اس وقت میرے پاس موجود تھے حسب سهام شرعی اپنی دونوں حویلیوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کے حوالہ کر دیئے اور آپ اس دولت دنیا سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میری ذاتی جائداد سوائے چند کتابوں اور چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ نہیں ہے جس قدر نقد و جنس و زیور وغیرہ میری جس حویلی کے قبضہ میں ہے وہ انہیں کا مال ہے۔ دوسری حویلی کا اس میں کچھ دھوئی نہیں۔ قریب پانچ بجے شام کے ہم نے الگنیوٹ ہمارا فی نام پر سوار ہو کر ایک پہلے پر اپنا ڈیرہ کر لیا۔ ہم لوگوں کے سوا اس جہاز پر اور بھی بہت سی رنائی والی عورتیں اور مرد اور نیز بہت سے مسافر یورپین اور ہندوستانی سوار تھے۔ موسم نہایت عمدہ اور مستند بالکل قریب ٹھنڈا تھا سوچ اور تلاطم کا نام نہ تھا۔ اس دن محرم کی بھی دسویں تاریخ



اور صدی چودھویں شروع ہو گئی تھی۔ بوقت غروب آفتاب کے جہاز کانگر  
اٹھایا گیا اور ہم لوگوں نے چشم بر آب ایک کے بعد ایک جزائرِ اندمان کو  
خیر باد کہہ کر پیچھے چھوڑنا شروع کیا۔ اب رات ہو گئی تھی چاندنی رات میں سمندر  
کی لہروں کی کیفیت بڑی آب و کھلا رہی تھی۔ دو سرے نے ہمارا بڑا جزیرہ کوکو میں  
پہنچا۔ دو روز چلنے کے بعد کسی قدر پانی بھی برسا۔ جس سے مسافروں کو کچھ تکلیف  
ہوئی۔ مگر جب جہاز تھوڑا آگے بڑھ گیا تو تکلیف رفع ہو گئی اور پانی بھی بند ہو گیا۔  
علی رضا نام ایک مشہور تاجر نے اس جہاز پر ہماری بڑی خاطر تواضع کی۔ دونوں  
دفت عمدہ کھانا گوشت مچھلی، چارہ کافی، برت اور قسم قسم کے میوے اور  
مشائیاں ہمارے واسطے ہر دم موجود رہتی تھیں۔ بڑے آرام و راحت کے  
یہ سفر کٹا جس وقت مارے برسات کے سب مسافر پانی میں تریختہ کانپ رہے  
تھے۔ اس وقت نور الدین نام ایک رنائی واسے کی عورت کو وہ نہ شروع  
ہوا۔ اور اس حالت میں کہ زچہ پانی میں شور بول کانپ رہی تھی اس کو پلوٹھا بچہ  
پیدا ہوا اور وہ وہاں اچھوانی کہاں اس دن شکل سے زچہ کو وال بھات ملا ہو گا  
مگر اس کو یا اس کے بچہ کو کچھ مرض ہوا بیماری دونوں تندرست تھے اور جب  
جہاز گلکٹہ میں جا کر لنگر انداز ہوا اس بچہ کو زائیدہ کی عمر صرف دو دن کی ہو گئی  
اس کی والدہ صبر اپنے بچہ کے زندہ ناتی ہوئی جہاز سے اتریں۔ اور پھر گلکٹہ سے  
اس کے مرنے ایک فلکٹ سیدھا لاہور تک کالیا۔ اسی حالت میں زچہ  
خوش و خرم رعات ہو گئی۔ اور بچہ کا نام بوجہ سمند میں پیدا ہونے کے سمندری  
رکھا گیا تھا۔ خیر بفضل الہی ہم چار دن اور چار رات کے سفر کے بعد ۱۳ نومبر

۱۸۵۳ء مطابق ۱۴ محرم سنہ ۱۲۷۱ھ داخلِ کلکتہ ہوئے اور وہاں چنایا پاشا  
 جاکر مولوی عبدالرؤف صاحب برادر مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان میں  
 رہ کر تیسری شب کو بوقت ۹ بجے رات کے ہم بسواری ریل کلکتہ سے ہندکو  
 روانہ ہو گئے اور کلکتہ سے الہ آباد اور وہاں سے کانپور کانپور سے علی گڑھ اور  
 علی گڑھ سے سہارنپور اور وہاں سے انبالہ تک منزل در منزل ٹکٹ لیتے ہوئے  
 ۲۱ نومبر ۱۸۵۳ء کو بوقت ۹ بجے شب کے اسٹیشن کمپ انبالہ پر پہنچ گئے  
 کلکتہ سے دو سپاہی ایک ٹائیک ہمارے اہل و عیال اور مال کی حفاظت  
 کے واسطے بطور اردولی انبالہ تک ہمارے ساتھ آئے تھے۔ انڈمان میں بارہ ماہ  
 موسمِ معتدل رہنے کے سبب سے میرے بال بچوں نے اس سے پہلے کبھی  
 جارا اگر می نہ دیکھا تھا۔ اسی واسطے آخر نومبر میں کلکتہ سے آگے بڑھ کر ان کو  
 کسی قدر دی سے تکلیف بھی ہو گئی۔ مگر جس جس قدر موسمِ سرما اور سردیوں کا  
 قریب ہوتا گیا اسی قدر ان کی طبیعت بھی اس کی عادی ہوتی آگئی۔ بیس برس  
 کے بعد اس زندانِ نفسِ اولادِ آدم سے ہر موسم میں جگہ بہ جگہ کا ہوا پانی  
 اور طرح بہ طرح کے موسمی میوے وغیرہ سے میرے بال بچوں کی طبیعت  
 نہایت شادان اور فرحان تھی۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر سے انبالہ تک  
 دن عید اور رات شبِ برات کی کیفیت رہی ایک دن وہ تھا کہ ہم ۲۲ فروری  
 ۱۸۶۵ء کو جیل انبالہ سے زیورآہنی و جوگیا نہ لباس و گیم سیما سے  
 آدھتہ پیراستہ ہو کر زیرِ حراست پولیس انبالہ سے مغرب کو روانہ ہوئے تھے  
 اور بیسے مصائب کھینچتے ہوئے ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء کو گیارہ ماہ بعد ازِ پنج فرنگی

انیالہ سے کاسے پانی میں داخل ہوئے تھے اور یا یہ ولی ہوا کہ ہم بڑی آسائش سے دریائی سفر کو طے کر کے کلکتہ میں پہنچے اور وہاں سے ایک خاص درجہ میل میں بلا شرکت امداد سے سوار ہوتے ہوئے دس آدمیوں کے عیال اور نقد جنس کو ساتھ لے کر مثل نوابوں کے عمدہ سلطانہ بانات کا لباس پہنے ہوئے پورٹ سے چل کر گیارہویں دن مشرق سے آکر داخل انیالہ ہوئے۔ میری اس کیفیت اور شان اعدا و اولاد اور مال و منال کو دیکھ کر خلقت کو تعجب اور تعجبوں کو افسوس اور میرے ہوا خواہوں کو خوشی تھی اور راہ میں بھی جہاں جہاں میں اترتا ہر شہر کے مسلمان میرا نام سن کر میری ملاقات کو دوڑے چلے آئے اور میری کیفیت کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ اللہ جل جلالہ بڑا قادر ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ راہ میں یا انیالہ میں جو جو آدمی میرے مقدمہ اور حالات سے واقف تھے وہ سب ہی کہتے تھے کہ تیرا اس ملک میں اس شان سے آنا مروجے کے زندہ ہونے سے کم نہیں ہے جو اس کو امت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ لاوے البتہ وہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ یہاں میری ایک بیڑا چھوٹی تھی کاسے پانی میں مجھ کو دو بیویاں غایت ہوئیں۔ یہاں میرے دو بچے چھوٹے تھے، وہاں آٹھ بچے مرحمت ہوئے اور سامان اور سبب نفقہ و جنس ہر ایک چیز کا نام بنام نعم اللہ علیہ اس قید خانہ میں دے کر مجھ کو واپس لے آیا جیسے کہ ایوب علیہ السلام کے مقدمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے  
وَاتَيْنَاهُ إِهْلًا وَشَاهِدًا مَعَهُ وَحَمْرًا مِنْ عَدْنٍ نَاوُذُكَوَالْعَادِ بَدِيعِ  
وہاں ہم نے اس کو کنبہ اس کا اور زیادہ دیے اس کو اس کنبہ کے ساتھ شہسوار کی

یہ ایک رحمت تھی ہماری طرف سے اور ایک نصیحت تھی واسطے عابدوں کے۔  
یہ آیت میرے حق میں بھی از سر تا پا صادق آئی، گلاس میرے قصد سے جو ایک  
بڑی روشن آیت آیاتِ الہی سے ہے صرف عابدین اور صالحین ہی کو ہدایت  
اور نصیحت ہو سکتی ہے بسنکرین اور منافقین کو نہیں۔

## باب (۱۳۸)

### وطن پہنچ کر

دوسرے دن فجر کو ہم شہر انار میں پہنچے اور وہاں کے حکام ضلع سے  
اجازت لے کر کمپ انار میں اپنے آقائے قدیم کپتان ٹپل صاحب کی خدمت  
میں حاضر ہوئے۔ جب میں کپتان ٹپل صاحب کے منگ پر گیا وہ دوڑ کر میرے  
گلے کو باہر نکل آئے اور اندر سے جا کر مجھ کو موڑ سے پرٹھایا اور بہت تسلی و  
تشفیٰ کی اور فرمایا کہ آج کی تاریخ سے ہم بیس روپیہ ماہوار تنخواہ تم کو اپنے  
بچ سے دیا کریں گے۔ اور تمہاری نوکری کے واسطے بھی جلد اچھا بندوبست  
ہو جائے گا۔ کپتان ٹپل صاحب کی سہی سے صاحب لوگ مجھ سے پڑھا  
کرتے تھے۔ میرے یہاں پہنچنے کے سہارے بعد تک ٹپل صاحب نے یہاں  
رہ کر مجھ کو قریب پچاس روپیہ ماہوار کے بندوبست کر دیا تھا۔ اپریل  
سہ ماہ سے یعنی اس کے چلے جانے کے بعد سے وہ بندوبست ٹوٹ  
گیا۔ بلکہ اس وقت سے نگرانی پولیس کی میرے اوپر مقرر ہو کر آج بھی سختی

بڑھ گئی۔

بعد پہنچے انبالہ کے جب میں نے اس سفر بہت سالہ کوہند سے  
پہچائش کر کے دیکھا تو انبالہ سے چل کر باوا لاہور و بمبئی کا لے پانی تک  
اور پھر کالے پانی سے بہاؤ کلکتہ انبالہ تک قریب سات ہزار میل کی مسافت  
ہوئی۔ اور باستانائے بعض شمالی ہندو ہند کے قریب تمام کے کل ہند  
کا طواف ہو گیا۔ صد بازار کھپ انبالہ میں ایک مکان کلا یہ کالے کر معہ  
عیال و اطفال خود اس میں آباد ہو گیا۔ جب میں سب سب سب سب سب سب سب سب  
خانہ داری کا خدیو چکا تو ۱۸ دسمبر ۱۸۷۳ء کو ایک ہفتہ کی رخصت لے کر براہ  
ریل اول دہلی گیا اور وہاں ایک شب رہ کر دوسرے دن شام کو یہ سواری  
بکہ پانی پتہ پہنچا اور اتفاقاً حسن سے پورے بیس برس کے بعد وہی  
۱۳ دسمبر میرے پانی پتہ سے دہلی کو بھاگ جانے کی تاریخ تھی کہ جب  
میں ۲۰ برس پہلے تھا نیس سے سوار ہو کر بوقت صبح اپنی بیوی کو پانی  
پتہ میں چھوڑ کر اور پانی پتہ سے یکے پر سوار ہو کر دہلی کو بھاگتا تھا جب  
میں پانی پتہ کی جانب مشرق و جنوب کی سڑک پر شام کے وقت دہلی  
سے پانی پتہ کو چلا آتا تھا تو وہی سڑک اور وہی موسم اور وہی تاریخ  
دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج فجر میں اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر  
دہلی کو گیا تھا اور آج ہی واپس آ گیا۔ غیر مغرب کی نماز کے بعد میں  
بقام پانی پتہ اپنے گھر میں پہنچا۔ میری بیوی اور لڑکے مجھ کو دیکھ کر باغ  
باغ ہو گئے۔ بدو فرار جس لڑکے کو میں نے چند چھینے کا چھوڑا تھا اب

اس کو بیس برس کی عمر میں دیکھا۔ پانچ روز وہاں ٹھہرنے کے بعد پھر میں براہ کمال تھا نیسر آیا اور ایک شب چند گھنٹے تھا نیسر میں ٹھہر کر پھر انبارہ کو لوٹ آیا۔

جس جس شہر میں یہ عاجز گیا ہزاروں خلقت اس شہر کی میرا آنا سن کر میرے دیکھنے کو آتی تھی اور تھا نیسر میں تو ایسا ازدحام خلافت کا ہوا کہ میں اس بات کو سونے بھی نہیں پایا۔ بلکہ سبب تنگی وقت کے بہت سے آدمی میری ملاقات سے محروم رہ گئے۔ اور انبارہ میں چند مہینوں تک منزلوں سے لوگ میرے دیکھنے کو آتے رہے اور میرا منہ دیکھ کر خدا کی قدرت پر تعجب کرتے تھے۔ شہر تھا نیسر کو میں نے دیکھا کہ ۱۲ مئی ۱۹۶۳ء میں اس سے میرا قدم اٹھانا تھا کہ اس پر نعلی شروع ہوا۔ اس بیس برس میں ساتویں حصہ سے بھی کم اس کی آبادی رہ گئی۔ مکانات گر کر ماہ کو چے بند ہو گئے اور پائے آدمیوں کے بندر اور چیشیوں نے اس میں اپنا دخل کر لیا۔ لیکن خداوند کریم نے مجھ کو قرائن سے معلوم کرا دیا کہ یہ شہر عنقریب بڑی دھوم دھام سے پھر دوبارہ آباد ہو گا۔ جب میں تھا نیسر میں گیا تو میں نے اپنے مولد اور مکان مسکن پر جا کر مالک مکان سے جو اس میں آباد تھا بارہ عاجزی تمام یہ اجازت چاہی کہ اپنے زمانوں کو کسی ایک کمرے میں علیحدہ کر کے مجھ کو اس مکان کے اندرونی قطعات کی زیارت کر لینے دو۔ مالک مکان نے مجھ کو سناخت کر کے بڑے اخلاق سے اندہ آنے کی اجازت دیدی

مجھ کو اس جگہ بھی قدرتِ الہی یاد آئی کہ جس مکان کو میں نے خود ہزاروں روپیہ خرچ کر کے تعمیر کیا تھا اب اُس کے اندر میں قدم نہیں رکھ سکتا اب میں امید کرتا ہوں کہ خداوندِ کریم اس ہدیہ اور نذر مکان کو دیا سے پاک کر کے قبول کر لے اور اس کا بدل کوئی مکان آخرت میں عطا کرے اس بعد اختتام اس کیفیت بہت سادہ کے بعض انعاماتِ الہی کو ذکر کر کے میں اس کتاب کو ختم کر دیتا ہوں۔

## باب (۳۹)

### خاتمہ

ایک ان میں سے یہ ہے کہ تار پہنچ قید سے جہاں جس جگہ میں رہا کیسے اپنے سایہِ عاطفت اور انعام میں مجھ کو رکھا۔ بیس برس میں ایک دن بھی مشقت کرنے کی نوبت نہ آنے دی اور کاسے پانی میں میرے پہنچنے سے پہلے میری راحت کے سامان جمع کر رکھے تھے جہاں پر اُٹتے ہی کے دن مجھ کو بڑا احمدہ دار سرکار بنا دیا اور ہمارے کاسے پانی میں پہنچنے سے فقط چار پانچ برس پہلے اُن نئے جنازہ کا آباہ ہونا اور اس سبب سے قوانین پورٹ بطور قیدیوں کے واسطے نرم آمد آسان مقرر ہونا اور ہمارے دماغ داخل ہونے کے وقت تک جنگل کی کھائی اور مہلک امراض کا قلعی دھند ہو کر اس کا رشک کشمیر ہو جاتا اور پھر بیس برس تک بڑے

آرام اور عیش سے ہمارا دیاں رہنا اور ایسی جائے نا امید سے باوجود  
تعب و حکام باشان و شوکت مال و اولاد صحیح و تندرست جیسے گئے  
تھے اس سے بہتر حال میں واپس آ جانا۔ دوسرے اس ملک ہند میں  
ہمارے واپس پہنچنے کے بعد بھی باوجود سخت مخالفت اور تباہی کے  
آپ و جوا پورٹ بلیر انڈمان اور ہندوستان کے میرے بال بچے اب تک  
صحیح و سالم اور تندرست ہیں۔ بلکہ اور دو بچے اس ملک میں آکر بھی میرے  
گھر میں پیدا ہوئے، حالانکہ اور دوسرے بچے جو کالے پانی سے یہاں واپس  
آئے۔ بہت ہی کم اس ملک میں زندہ رہے اور جب کوئی بیمار یا مستعدی  
مرض اس ملک میں پھیلتا ہے تو یہ چھاؤنی یا میرا گھر ہمیشہ اس سے محفوظ  
رہتا ہے اور میرے یہاں پہنچنے کے بعد بارش و باران اور آرائی غلہ بھی  
بہ نسبت زمین ملحقہ کے نہایت کثرت سے ہوتی۔ تیسرے جب بعد بیس  
برس کے اس جزیرے سے میری رٹائی ہوئی تو بہ تعاضد بھرتی مجھ کو  
یہ فکر تھا کہ اس وقت میں ہندوستان میں جا کر کہاں رہوں گا اور کیا  
کروں گا۔ کیونکہ بتعام تھا میرے کل مکانات سکنی و اراضی و زمینداری  
وغیرہ ضبط سرکار ہو کر نیلام ہو چکی تھی اور حکام ضلع انبالہ ہمارے اکثر  
وہی پڑانے و فتنے تھے جنہوں نے ہم کو کالے پانی بھجیا تھا مگر ایسے وقت  
تدویر اور انتشار میں اس تا دیر کہیم اور مقلب القلوب نے کپتان ٹیل صاحب  
جسٹریٹ کمیٹ انبالہ میں بلایا اور اس میری شہد و ع واپسی میں کہ جب  
ہر ایک انگریز میری صورت سے متفرق تھا بطور وکیل مددوں میری طرف سے



لواتا رہا اور روزگار وغیرہ کی طرف سے بالکل مجھ کو فارغ البال کر دیا۔ اور جب ٹپل صاحب بوجہ تبدیلی خود اس ملک سے چلے گئے تو اس کے بعد خود بخود بلا میری درخواست کے ریاست ارتولی میں میرا روزگار بحال مقرر کر دیا کہ جہاں میں اب تک بڑے آرام اور آسائش سے ٹوکر ہوں۔ اور یہ بھی اس کا شکر ہے کہ یہ دونوں سبب میرے روزگار اور آسائش کے غیر مسلمانوں کے ماتحت سے ہوئے کہ جہاں سوائے تائید غیبی کے کوئی ظاہری گمان ہمدردی قوم وغیرہ کا بھی موجود نہیں ہے۔ ہمارے ہندوستان میں واپس آنے کے بعد جو نگرانی پولیس وغیرہ ہمارے اوپر مقرر ہوئی تھی اولیٰ تو اس کو بذمہ داری و ضمانت خود کپتان ٹپل صاحب نے میرے اوپر سے اٹھوا دیا تھا۔ اور بعد تبدیلی کپتان ٹپل صاحب کے محض بر تائید غیبی بلاستی سفارش کسی بشر کے وہ احکامات نگرانی وغیرہ بند کر دیے۔ چٹھی نمبری ۱۸۰۰ مودھ ۱۶ فروری ۱۸۸۵ء منجانب سکرٹری گورنمنٹ پنجاب بنام صاحب کسٹنر قسمت دہلی میرے اوپر سے اٹھوا دیے گئے۔ حالانکہ میرے پانچوں رفقاء جیل یعنی مولوی عبدالرحیم وغیرہ پر سے وہ احکامات نگرانی ابھی تک بھی نہیں اٹھائے گئے۔ یعنیل الہی اب میں قطعی آزاد ہوں۔ جہاں چاہوں رہوں اور جو چاہے روزگار کروں۔ بجز وراثت کاروبار ریاست میں لاہور اور کلکتہ کے مابین میں ہمیشہ دورہ سیر میں رہتا ہوں۔ بلکہ عنقریب ایک مقدمہ ریاست ارتولی کی پیروی میں میرا ولایت جانے کا بھی ارادہ ہے جہاں ان شاء اللہ تعالیٰ ڈاکٹر منتر صاحب

اور دوسرے موافق اور مخالفت صاحب لوگوں سے ملاقات کر کے اس قدرت الہی کا امن سے اعتراف کراؤں گا۔ جب میں کچھ ہی انبالہ کے اس مقام کو دیکھتا ہوں کہ جہاں مجھ کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تھا اور یا جب جبل انبالہ کے پاس سے نکلتا ہوں جس میں ڈیڑھ برس تک قید رہا تھا اور یا ان سڑکوں پر گزرتا ہوں کہ جہاں سے بعد میں نے حکم پھانسی کے ہم کو جیل خانہ کو لے گئے تھے۔ تو قدرت الہی کو دیکھ کر میرا دل مل جاتا ہے اور خیال ہو جاتا ہے کہ برید میں سے جانے حکم پھانسی کے کس کو گمان تھا کہ پھر میں اس کمرۂ عدالت میں یا ان مقاموں پر کبھی کھلا ہوا ہے روک ٹوک پھر دنگا ہو گا کسی بشر کو گمان کیا اس کا وہم بھی نہ تھا۔ یہ فقط اُس رب قدیر کا کام ہے کہ یہ سارے تماشے گرم سرد زمانے کے دکھلا کر اس اپنے نالائق مفرد غلام کو پھر جیسے کا جیسا اس ملک میں لا کر پھیلے سے وہ چند لوگوں کی آنکھوں میں معجزہ اور تماثر کر دیا ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

اس قصہ کو ایک کہانی یا ایک مثل ایک فوجداری کا ترجمہ ہی نہ سمجھو بلکہ یہ قصہ ایک بڑی آیت آیات الہی سے ہے۔ اس کو بار بار چست ملاحظہ کر کے عبرت پکڑنا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ اپنی کتاب مجید میں ایسے ہی قصہ کی نسبت فرماتے ہیں۔ لقد سمعنا فی قصصہم حبرۃ لا ولی الا للہ (ترجمہ) تحقیق ان کے قصوں میں ایک عبرت اور نصیحت ہے علمندوں کے واسطے اور قلیل حکیم زبانی و اما بنعمة ربک فحدث (ترجمہ) اپنے رب کے انعاموں کو لوگوں میں بیان کرو۔

میں نے جملہ اقسام کی عبادتیں خداوند عالمین جل جلالہ و عظم کواہ  
 کو بقدر اپنی سمجھ کے بطور اختصار کے لکھ کر پاک کے سامنے پیش کر دیئے  
 اب یہ آخری دعا ہے کہ خداوند کریم اس محنت اور مشقت اور ان تکالیف  
 قید کو زیادہ سے پاک کر کے قبول فرماوے۔ اور ناظرین کو اس قصہ سے عبرت  
 اور نصیحت ہوتی رہے۔ آمین۔ *اللہ صبرا فانی صبرا فی تمجیدہ و*  
*لعوقہ بک من شہودہم۔*

# حالات

## مولانا یحییٰ علی صاحب

از سیرت سید احمد شہید مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا عبد الرحیم صاحب صادق پوری نے در منشور میں آپ کے جیل کے جو حالات لکھے ہیں ان سے آپ کی عظمت اور اس جماعت کی سیرت و اخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔

ہمارے مولانا کا صبر و استقلال اس وقت کا قابل دید تھا۔ شب کو آپ اور میں ایک جگہ رہتے آپ پچھلی شب معمول نماز و دعا وغیرہ میں مشغول رہتے اور اکثر اشعار عاشقانہ و یوان شاہ نیاز و عاقظہ وغیرہ کے پڑھتے اور ایک وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی۔ ہم لوگ سب ہر شے باتش ہوتے اور آپ نہایت مسرور و خوش۔ آپ کے چہرہ و بشرہ سے کچھ بھی آثار رنج و محن کے پائے نہیں جاتے۔ ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے آپ اکثر اس شعر کو بھی جو حضرت خضیب صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے مترنم ہوتے ۔

فلست ابالی حين اقتل مسلماً  
على اى شئ كان فى الله مصرعى  
وذلك فى ذات الاله وان يشاء  
يبادر على اوصال شلو صمعى

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی اس کیفیت  
و جدی و صبر و مشرک کا ایک شتمہ بیان کر سکوں اور اس کی تصویر کھینچ کر  
ہدیہ تاظرین کرنا تو یہ امر محال ہے۔

چنانچہ ہمارے اس قیدِ تنہائی میں پھر تھینا د و ڈھائی چھینے سے  
اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان ایام کو آپ نے بسر کیا۔  
اور جب سپاہی پہرے والا یا آور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے  
سامنے آجاتا، ہندو یا مسلمان سب کو آپ تو حید باری کا وعظ سناتے  
اور عذاب سناتے اور آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ الغرض  
ایک عجیب طرح کا فیض آپ کا اس قیدِ تنہائی میں بھی جاری رہا۔ سپاہی  
جو پہرے کے واسطے آتا وہ سکھ ہو یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا آپ  
اس آیت کریمہ کا وعظ سناتے عذاب متفقون خیر امر  
اللہ الواحد القہار۔ سپاہی کھڑا رہتا۔ اور جب اُس کے پہرے  
کی بدلی ہوتی تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا۔ میں کچھ  
کدھ نہیں سکتا کہ کس قدر فائدہ اس وقت پہرے والوں کو پہنچا اور  
کتنے موحّد ہو گئے۔ اور کتنے ابائی دین کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ لا یعلم

الہ اللہ۔

آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہوا۔ آپ کا جسم مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے۔ ان پر کسی کی حکومت نہ تھی۔ بجز اس حاکم حقیقی کے۔ اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا، آپ ابر معرفت و نہی عن المنکر بجالاتے۔ آپ حمد و ثنائے باری میں شب و روز مصروف رہتے اور کام موقوفہ سرکاری کو بھی باحسن وجہ انجام کرتے۔ مثل اُور قیدیوں کے تساہل و تساہل کو کام میں نہ لاتے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ جب تم سرکاری کھانا کھاتے ہو اور کپڑا پہنتے ہو اور مکان میں رہتے ہو تب ضرور ہے کہ سرکاری کام کو انجام دو۔ اور قیدی لوگ جو جیل کے اندر حکم عدولی اور بد معاشری کرتے اس سے ان کو روکتے۔ اور نصیحت کرتے۔ صد ہا قیدی اس جیل میں ایسے نیک چلن ہو گئے کہ جن کو دیکھ کر اہل کارانِ جیل حیران رہ جاتے چونکہ جیل خانہ میں مجمع بدکاروں اور چور ڈاکوؤں وغیرہ کا رہنا کرتا ہے۔ آپ کا وعظ بھی انہیں اقبالِ ذمہ کے بیان میں ہوتا اور توحید و تاکیدِ مدام و صلوة کی ہوتی۔ صد ہا چور اور ڈاکوؤں نے توبہ کی کہ اب کبھی اس پیشہ کو نہ کریں گے۔ آپ ان کو عذابِ دائمِ مقیم سے ڈراتے۔ صد ہا موصداہر نمازی ہو گئے۔

ایک بلوچ ڈاکو کا ماجرا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا نام مرزی تھا۔

اس کے آبا و اجداد سے چوری اور ڈکیتی کا پیشہ چلا آتا تھا۔ وہ نہایت قوی، ہیکل جوان تھا۔ اس نے جیل خانہ میں آکر بھی بہت کچھ مہارت کی تھی۔ سرکاری کام ہرگز نہیں کرتا تھا۔ صدیاً بیت اس کو لٹکائے گئے مگر اس نے اُفت نہیں کی۔ اپنی بد چلتی سے باز نہیں آیا۔ بیڑی اور ڈنڈا ہتھکڑی اور طوق و قید تنہائی وغیرہ جو کچھ سزا و ماں ہے وہ سب اس پر عمل میں لایا گیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ دار و فہ و جھدار سب اس سے ڈرتے وہ ان کو بھی موقعہ پا کر ہتھکڑی سے پیٹ دیتا۔ خدا کے حکم سے آپ کا بستر اور اس کا ایک ہی جگہ ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ آپ کی پختہ دند سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کیفیت بدل گئی۔ اس نے سرکاری مشقت کسی مشورے کر دی اور ایک نیک چلن بن گیا کہ دار و فہ وغیرہ سب متحیر ہو گئے۔ ہتھکڑی اور طوق وغیرہ سب اس سے دور کر دیے گئے اور پارچہ بانی کے کارخانہ میں وہ داخل کر دیا گیا کہ جہاں دائم الجس اور بڑے بڑے معادی کام کیا کرتے تھے اور عمدہ کام کرنے اور زیادہ کام کرنے پر سال میں دو ایک ماہ قید عمارت بھی ملا کرتی ہے اس نے وہاں جا کر بہت پارچہ بانی کا کام سیکھ لیا اور نہایت عمدہ پڑائنے لگا۔ جب میں لاہور کے جیل میں گیا خود میں نے اس موزی بلوچ کو دیکھا کہ پانچوں وقت غارتہ قید میں پڑھتا اور اپنے اعمال گذشتہ کو یاد کر کے خوف خدا سے اکثر روتا۔ اسے بھائیوں میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے جب اس کو دیکھا ایک ولی پایا۔ اس قسم کے آدمی بہت سے مایوس ہیں میں نے یہ ایک مثال

بیان کیا الغرض آپ کا وجود باوجود اس قید خانہ میں واسطے ہدایت قیدیوں کے بھیج دیا گیا تھا۔ کہ ہزاروں فیضیاب ہو گئے۔ اہل کابلین جیل اس کلام کو آپ کے دیکھو دیکھو کر نہایت متحیر و شجب ہوئے۔ تمام ہندو آپ کو دیوتا اور اوتار کہتے اور مسلمان ولی سمجھتے۔ انوار کاروز جو فرست کا قیدیوں کے ہوتا ہے فجر کو بعد ملاحظہ ڈاکٹر آپ کے پاس مجمع ہو جاتا۔ آپ حسب حال ان قیدیوں کے بد کاریوں سے بچنے اور نیک چلنی اور توحید الہی کا بیان فرماتے اور صوم و صلوة کی تاکید کرتے۔

---



## پنی لائبریری

۲/-	طالب هاشمی	تذکرہ حضرت خواجہ اجمیری	★
۲/۸	طالب هاشمی	تذکرہ حضرت غوث اعظم	★
۲/-	طالب هاشمی	عبدالله بن زبیر	★
۱/۱۰	سید امین الدین	تذکرہ حضرت علی ہجویری	★
۱/-	مولانا آزاد	شہید اعظم	★
۲/۸	مولانا آزاد	ام الکتاب	★
۱/۳	مولانا آزاد	اصحاب کیف	★
	نوکب سلطانہ	فرح شاہی دستر خوان	★
۱/۸	کنوثر سلطانہ		
۱/۸	مہارقی میر	انتخاب کلام میر	★
۲/-	عبد	درد و درمان	★
۱/۸	نیرم ایشہوئی	سلسلہ	★